سُوْرَةُ الْمُؤْمِنُوْنَ

سُورَةُ الْمُؤْمِنُونَ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ مِائَةٌ وَثَمَانَ عَشْرَةَ آيَةً وَسِتُّ رُكُوعَاتٍ

سورۂ مؤمنون مکہ میں اُتری اور اُس کی ایک سو اٹھارہ آیتیں ہیں اور چھ رکوع

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ ○

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ ① الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ ②

کام نکال لے گئے ایمان والے جو اپنی نماز میں جھکنے والے ہیں

وَالَّذِينَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُونَ ③ وَالَّذِينَ هُمْ لِلزَّكَاةِ فَاعِلُونَ ④

اور جو نکمی بات پر دھیان نہیں کرتے اور جو زکوٰۃ دیا کرتے ہیں

وَالَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حَافِظُونَ ⑤ إِلَّا عَلَىٰ أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا

اور جو اپنی شہوت کی جگہ کو تھامتے ہیں مگر اپنی عورتوں پر یا اپنے

مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ ⑥ فَمَنِ ابْتَغَىٰ وَرَاءَ

ہاتھ کے مال باندیوں پر سو اُن پر نہیں کچھ الزام پھر جو کوئی ڈھونڈے اس کے

ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْعَادُونَ ⑦ وَالَّذِينَ هُمْ لِأَمَانَاتِهِمْ

سوا سو وہی ہیں حد سے بڑھنے والے اور جو اپنی امانتوں سے

وَعَهْدِهِمْ رَاعُونَ ⑧ وَالَّذِينَ هُمْ عَلَىٰ صَلَوَاتِهِمْ يُحَافِظُونَ ⑨ وقف لازم

اور اپنے اقرار سے خبردار ہیں اور جو اپنی نمازوں کی خبر رکھتے ہیں

أُولَٰئِكَ هُمُ الْوَارِثُونَ ⑩ الَّذِينَ يَرِثُونَ الْفِرْدَوْسَ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ⑪

وہی ہیں میراث لینے والے جو میراث پائیں گے باغ ٹھنڈی چھاؤں کے وہ اسی میں ہمیشہ رہیں گے۔

فضائل و خصوصیات سورۂ مومنون مسند احمد میں حضرت فاروق اعظم عمر بن خطابؓ کی روایت ہے۔ اُنھوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر جب وحی نازل ہوتی تھی تو پاس والوں کے کان میں ایسی آواز ہوتی تھی جیسے شہد کی مکھیوں کی آواز ہوتی ہے۔ ایک روز آپ کے قریب ایسی ہی آواز سُنی گئی تو ہم ٹھہر گئے کہ تازہ آئی ہوئی وحی سُن لیں۔ جب وحی کی خاص کیفیت سے فراغت ہوئی تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم قبلہ رُخ ہو کر بیٹھ گئے اور یہ دُعا کرنے لگے اَللّٰهُمَّ زِدْنَا وَلَا تَنْقُصْنَا وَاَكْرِمْنَا وَلَا تُهِنَّا وَاَعْطِنَا وَلَا تَحْرِمْنَا وَاٰثِرْنَا وَلَا تُؤْثِرْ عَلَيْنَا وَارْضَ عَنَّا وَاَرْضِنَا (یعنی یا اللہ ہمیں زیادہ دے کم نہ کر اور ہماری عزت بڑھا ذلیل نہ کر اور ہمیں بخشش فرما، محروم نہ کر اور ہمیں دوسروں پر ترجیح دے ہم پر دوسروں کو ترجیح نہ دے اور ہم سے راضی ہو اور ہمیں بھی اپنی رضا سے راضی کر دے)۔ اسکے بعد فرمایا کہ مجھ پر اسوقت دس آیتیں ایسی نازل ہوئی ہیں کہ جو شخص اُن پر پُورا پورا عمل کرے تو وہ (سیدھا) جنّت میں جائیگا۔ پھر یہ دس آیتیں جو اُوپر لکھی گئی ہیں پڑھ کر سنائی۔ (ابن کثیر)

اور نسائی نے کتاب التفسیر میں یزید بن بابنوس سے نقل کیا ہے کہ اُنھوں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا خلق کیسا اور کیا تھا، اُنھوں نے فرمایا آپ کا خُلق یعنی طبعی عادت وہ تھی جو قرآن میں ہے اس کے بعد یہ دس آیتیں تلاوت کر کے فرمایا کہ بس یہی خُلق و عادت تھی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی۔ (ابن کثیر)

خلاصۂ تفسیر

بالتحقیق اُن مسلمانوں نے (آخرت میں) فلاح پائی جو (تصحیح عقائد کے ساتھ صفات ذیل کیساتھ بھی موصوف ہیں یعنی وہ) اپنی نماز میں (خواہ فرض ہو یا غیر فرض) خشوع کرنے والے ہیں اور جو لغو (یعنی فضول) باتوں سے (خواہ قولی ہوں یا فعلی) برکنار رہنے والے ہیں اور جو (اعمال و اخلاق میں) اپنا تزکیہ کرنے والے ہیں۔ اور جو اپنی شرمگاہوں کی (حرام شہوت رانی سے) حفاظت رکھنے والے ہیں لیکن اپنی بیبیوں سے یا اپنی (شرعی) لونڈیوں سے (حفاظت نہیں کرتے) کیونکہ اُن پر (اس میں) کوئی الزام نہیں۔ ہاں جو اسکے علاوہ (اور جگہ شہوت رانی کا) طلبگار ہو ایسے لوگ حد (شرعی) سے نکلنے والے ہیں اور جو اپنی (سپردگی میں لی ہوئی) امانتوں اور اپنے عہد کا (جو کسی عقد کے ضمن میں کیا ہو یا ویسے ہی ابتداءً کیا ہو) خیال رکھنے والے ہیں اور جو اپنی (فرض) نمازوں کی پابندی کرتے ہیں ایسے ہی لوگ وارث ہونے والے ہیں جو فردوس (بریں) کے وارث ہوں گے (اور) وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

معارف و مسائل

فلاح کیا چیز ہے اور کہاں اور کیسے ملتی ہے قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ، لفظ فلاح قرآن و سنت میں بکثرت استعمال ہوا ہے اذان و اقامت میں پانچ وقت ہر مسلمان کو فلاح کی طرف دعوت دی جاتی ہے۔ فلاح کے معنے یہ ہیں کہ ہر مراد حاصل ہو اور ہر تکلیف دُور ہو (قاموس) یہ لفظ جتنا مختصر ہے اتنا ہی جامع ایسا ہے کہ کوئی انسان اس سے زیادہ کسی چیز کی خواہش کر ہی نہیں سکتا۔ اور یہ ظاہر ہے کہ مکمل فلاح کہ ایک مراد بھی ایسی نہ رہے جو پُوری نہ ہو اور ایک بھی تکلیف ایسی نہ رہے جو دُور نہ ہو، یہ دُنیا میں کسی بڑے سے بڑے انسان کے بس میں نہیں چاہے دُنیا کا سب سے بڑا بادشاہ ہفت اقلیم ہو یا سب سے بڑا رسُول اور پیغمبر ہو۔ اس دُنیا میں کسی کے لئے یہ ممکن نہیں کہ کوئی چیز خلاف طبع پیش نہ آئے اور جو خواہش جس وقت دل میں پیدا ہو بلا تاخیر پوری ہو جائے۔ اگر اور بھی کچھ نہیں تو ہر نعمت کے لئے زوال اور فنا کا کھٹکا اور ہر تکلیف کے واقع ہو جانیکا خطرہ، اس سے کون خالی ہو سکتا ہے؟

اس سے معلوم ہوا کہ فلاح کامل تو ایسی چیز ہے جو اس مُلک دُنیا میں دستیاب ہی نہیں ہو سکتی کیونکہ دُنیا تو دار التکلیف والمحنت بھی ہے اور اس کی کسی چیز کو قرار و قرار بھی نہیں۔ یہ متاعِ گرانمایہ ایک دوسرے عالم میں ملتی ہے جسکا نام جنت ہے۔ وہ ہی ایسا ملک ہے جسمیں انسان کی ہر مراد ہر وقت بلا انتظار حاصل ہوگی وَلَهُمْ مَّا يَشْتَهُوْنَ (یعنی ان کو ملے گی ہر وہ چیز جو وہ چاہیں گے) اور وہاں کسی ادنیٰ رنج و تکلیف کا گزر نہ ہوگا اور ہر شخص یہ کہتا ہوا وہاں داخل ہوگا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ ۭ اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُوْرٌ شَكُوْرُۨ الَّذِيْٓ اَحَلَّنَا دَارَ الْمُقَامَةِ مِنْ فَضْلِهٖ یعنی شکر ہے اللہ کا جسنے ہم سے غم دُور کر دیا بلاشبہ ہمارا رب معاف کرنے والا قدردان ہے جس نے ہمیں اپنے فضل سے ایک مقام میں پہنچا دیا جس کی ہر چیز قائم و دائم ہے۔ اس آیت میں یہ بھی اشارہ موجود ہے کہ دار دنیا میں کوئی بھی ایسا نہ ہوگا جس کو کبھی کوئی رنج و غم نہ پہنچا ہو اسلئے جنت میں قدم رکھتے ہوئے ہر شخص یہ کہے گا کہ اب ہمارا غم دُور ہوا۔ قرآن کریم نے سورۂ اعلیٰ میں جہاں فلاح حاصل کرنیکا نسخہ بتلایا کہ اپنے آپ کو گناہوں سے پاک کرے قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى اسکے ساتھ ہی یہ بھی اشارہ فرمایا کہ کامل فلاح کی جگہ اصل میں آخرت ہے صرف دُنیا سے دل لگانا طالب فلاح کا کام نہیں، فرمایا بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ، یعنی تم لوگ دُنیا ہی کو آخرت پر ترجیح دیتے ہو حالانکہ آخرت بہتر بھی ہے کہ اُسی میں ہر مُراد حاصل اور ہر تکلیف دُور ہوسکتی ہے اور وہ باقی رہنے والی بھی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ کامل و مکمل فلاح تو صرف جنت ہی میں مل سکتی ہے دُنیا اُسکی جگہ ہی نہیں۔ البتہ اکثری حالات کے اعتبار سے فلاح یعنی بامراد ہونا اور تکلیفوں سے نجات پانا یہ دُنیا میں بھی

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو عطا فرماتے ہیں۔ آیاتِ مذکورہ میں اللہ تعالیٰ نے فلاح پانیکا وعدہ ان مؤمنین سے کیا ہے جنمیں وہ سات صفات موجود ہوں جن کا ذکر ان آیات کے اندر آیا ہے۔ یہ فلاح عام اور شامل ہے جسمیں آخرت کی کامل مکمل فلاح بھی داخل ہے اور دُنیا میں جسقدر فلاح حاصل ہونا ممکن ہے وہ بھی۔

یہاں ایک سوال یہ پیدا ہو سکتا ہے کہ صفات مذکورہ کے حامل مؤمنین کو آخرت کی کامل فلاح ملنا تو سمجھ میں آتا ہے لیکن دُنیا میں فلاح تو بظاہر کفار فجار کا حصہ بنی ہوئی ہے اور ہر زمانے کے انبیاء اور اُن کے بعد صلحاءِ اُمت عموماً تکلیفوں میں مبتلا رہے ہیں مگر جواب اسکا ظاہر ہے کہ دُنیا میں مکمل فلاح کا تو وعدہ نہیں کہ کوئی تکلیف پیش ہی نہ آوے بلکہ کچھ نہ کچھ تکلیف تو یہاں ہر صالح و متقی کو بھی اور ہر کافر فاجر کو بھی پیش آنا ناگزیر ہے اور یہی حال حصولِ مُراد کا ہے کہ کچھ نہ کچھ مقصد بھی ہر انسان کو خواہ وہ صالح و متقی ہو خواہ کافر و بدکار ہو حاصل ہوتا ہی ہے۔ پھر ان دونوں میں فلاح پانے والا کس کو کہا جائے تو اسکا اعتبار عواقب اور انجام پر ہے۔

دُنیا کا تجربہ اور مشاہدہ شاہد ہے کہ جو اہلِ صلاح ان سات اوصاف کے حامل اور اُن سے متصف اور اُن پر قائم ہیں گو دُنیا میں وقتی تکلیف اُن کو بھی پیش آجائے مگر انجام کار اُن کی تکلیف جلد دُور ہوتی ہے اور مُراد حاصل ہو جاتی ہے ساری دُنیا اُن کی عزت کرنے پر مجبور ہوتی ہے اور دُنیا میں نیک نام اُنھیں کا باقی رہتا ہے۔ جتنا دُنیا کے حالات کا غور و انصاف سے مطالعہ کیا جائیگا ہر دور ہر زمانے ہر خطہ میں اسکی شہادتیں ملتی چلی جائیں گی۔

مومن کامل کے وہ سات اوصاف جن پر آیاتِ مذکورہ میں فلاحِ دُنیا و آخرت کا وعدہ ہے سب سے پہلا وصف تو مومن ہونا ہے مگر وہ ایک بنیادی چیز اور اصل الاصول ہے اُس کو الگ کرکے سات اوصاف جو یہاں بیان کئے گئے ہیں یہ ہیں۔

اوّل نماز میں خشوع ، خشوع کے لغوی معنے سکون کے ہیں اصطلاحِ شرع میں خشوع یہ ہے کہ قلب میں بھی سکون ہو۔ یعنی غیر اللہ کے خیال کو قلب میں بالقصد حاضر نہ کرے اور اعضاء بدن میں بھی سکون ہو کہ عبث اور فضول حرکتیں نہ کرے (بیان القرآن) خصوصاً وہ حرکتیں جن سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے نماز میں منع فرمایا ہے اور فقہاء نے اُن کو مکروہات نماز کے عنوان سے جمع کر دیا ہے۔ تفسیر مظہری میں خشوع کی یہی تعریف حضرت عمرو بن دینارؒ سے نقل کی ہے اور دوسرے بزرگوں سے جو خشوع کی تعریف میں مختلف چیزیں نقل کی گئی ہیں وہ دراصل اسی سکونِ قلب و جوارح کی تفصیلات ہیں۔ مثلاً حضرت مجاہدؒ نے فرمایا کہ نظر اور آواز کو پست رکھنے کا نام خشوع ہے۔ حضرت علی رضؓ نے فرمایا کہ دائیں بائیں التفات یعنی گوشۂ چشم سے دیکھنے سے بچنا خشوع ہے۔ حضرت عطاءؒ نے فرمایا کہ بدن کے کسی حصہ سے کھیل نہ کرنا خشوع ہے۔ حدیث میں حضرت

ابوذرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نماز کے وقت اپنے بندے کیطرف برابر متوجہ رہتا ہے جب تک وہ دوسری طرف التفات نہ کرے جب دوسری طرف التفات کرتا ہے یعنی گوشۂ چشم سے دیکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُس سے رُخ پھیر لیتے ہیں (رواہ احمد والنسائی و ابو داؤد وغیرہم ـ مظہری) اور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت انسؓ کو حکم دیا کہ اپنی نگاہ اُس جگہ رکھو جس جگہ سجدہ کرتے ہو اور یہ کہ نماز میں دائیں بائیں التفات نہ کرو (رواہ البیہقی فی السنن الکبریٰ مظہری)

اور حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا کہ نماز میں اپنی داڑھی سے کھیل رہا ہے تو فرمایا لو خشع قلب هٰذا لخشعت جوارحه (رواہ الحاکم الترمذی بسند ضعیف) یعنی اگر اس شخص کے دل میں خشوع ہوتا تو اسکے اعضاء میں بھی سکون ہوتا۔ (مظہری)

نماز میں خشوع کی ضرورت کا درجہ

امام غزالیؒ و قرطبیؒ اور بعض دوسرے حضرات نے فرمایا کہ نماز میں خشوع فرض ہے اگر پوری نماز خشوع کے بغیر گزر جائے تو نماز ادا ہی نہ ہوگی۔ دوسرے حضرات نے فرمایا کہ اسمیں شبہ نہیں کہ خشوع رُوحِ نماز ہے اسکے بغیر نماز بے جان ہے مگر اس کو رُکنِ نماز کی حیثیت سے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ خشوع نہ ہوا تو نماز ہی نہ ہوئی اور اُسکا اعادہ فرض قرار دیا جائے۔

حضرت سیدی حکیم الاُمتہؒ نے بیان القرآن میں فرمایا کہ خشوع صحتِ نماز کیلئے موقوف علیہ تو نہیں اور اس درجہ میں وہ فرض نہیں مگر قبولِ نماز کا موقوف علیہ اور اس مرتبہ میں فرض ہے۔ حدیث میں طبرانی نے معجم کبیر میں بسند حسن حضرت ابوالدرداءؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب سے پہلے جو چیز اس اُمت سے اُٹھ جائیگی یعنی سلب ہو جائیگی وہ خشوع ہے یہاں تک کہ قوم میں کوئی خاشع نظر نہ آئیگا۔ کذا فی مجمع الزوائد (بیان)

مومن کامل کا دوسرا وصف، لغو سے پرہیز کرنا ہے وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ لغو کے معنے فضول کلام یا کام جسمیں کوئی دینی فائدہ نہ ہو۔ لغو کا اعلیٰ درجہ معصیت اور گناہ ہے جس میں فائدہ دینی نہ ہونے کے ساتھ دینی ضرر و نقصان ہے اس سے پرہیز واجب ہے اور ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ نہ مفید ہو نہ مضر، اسکا ترک کم از کم اولیٰ اور موجب مدح ہے حدیث میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا من حسن اسلام المرء ترکه مالا یعنیه۔ یعنی انسان کا اسلام جب اچھا ہو سکتا ہے جبکہ وہ بے فائدہ چیزوں کو چھوڑ دے۔ اسی لئے آیت میں اسکو مومن کامل کی خاص صفت قرار دیا ہے۔

تیسرا وصف زکوٰۃ ہے لفظ زکوٰۃ کے معنے لغت میں پاک کرنے کے ہیں اصطلاح میں شرح مال کا ایک خاص حصہ کچھ شرائط کے ساتھ صدقہ کرنے کو زکوٰۃ کہا جاتا ہے اور قرآن کریم میں عام طور پر یہ لفظ اسی اصطلاحی معنے میں استعمال ہوا ہے۔ اس آیت میں یہ معنے بھی مُراد ہو سکتے ہیں۔

اور اسپر جو شبہ کیا جاتا ہے کہ یہ آیت مکی ہے مکہ میں زکوٰۃ فرض نہ ہوئی تھی ہجرتِ مدینہ کے بعد فرض ہوئی، اسکا جواب ابن کثیر وغیرہ مفسرین کیطرف سے یہ ہے کہ زکوٰۃ کی فرضیت مکہ ہی میں ہو چکی تھی سورۂ مزمل جو بالاتفاق مکی ہے اسمیں بھی اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ کیساتھ اٰتُوا الزَّكٰوةَ کا ذکر موجود ہے مگر سرکاری طور پر اسکے وصول کرنے کا عام انتظام اور نصابات وغیرہ کی تفصیلات مدینہ طیبہ جانے کے بعد جاری ہوئیں۔ جن لوگوں نے زکوٰۃ کو مدنی احکام میں شمار کیا ہے انکا یہی منشاء ہے۔ اور جن حضرات نے فرضیتِ زکوٰۃ کو مدینہ منورہ پہنچنے کے بعد کا حکم قرار دیا ہے اُنھوں نے اس جگہ زکوٰۃ کا مضمون عام لغوی معنی میں اپنے نفس کو پاک کرنا قرار دیا ہے خلاصہ تفسیر میں بھی یہی لیا گیا ہے اس معنے کا قرینہ اس آیت میں یہ بھی ہے کہ عام طور پر قرآن کریم میں جہاں زکوٰۃ فرض کا ذکر آیا ہے تو اُس کو اِيْتَاءَ الزَّكٰوةِ يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ اور اٰتُوا الزَّكٰوةَ کے عنوان سے بیان کیا گیا، یہاں عنوان بدلکر لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ فرمانا اسکا قرینہ ہے کہ یہاں زکوٰۃ کے وہ اصطلاحی معنے مراد نہیں اسکے علاوہ فاعلون کا بے تکلف تعلق فعل سے ہوتا ہے اور زکوٰۃ اصطلاحی فعل نہیں بلکہ ایک حصہ مال ہے اس حصہ مال کیلئے فاعلون کہنا بغیر تاویل کے نہیں ہو سکتا۔ اگر آیت میں زکوٰۃ کے معنی اصطلاحی زکوٰۃ کے لئے جاویں تو اسکا فرض ہونا اور مومن کے لئے لازم ہونا کھلا ہوا معاملہ ہے اور اگر مُراد زکوٰۃ سے تزکیہ نفس ہے یعنی اپنے نفس کو رذائل سے پاک کرنا تو وہ بھی فرض ہی ہے کیونکہ شرک۔ ریا۔ تکبر۔ حسد۔ بغض حرص۔ بخل جن سے نفس کو پاک کرنا تزکیہ کہلاتا ہے یہ سب چیزیں حرام اور گناہِ کبیرہ ہیں۔ نفس کو ان سے پاک کرنا فرض ہے۔

چوتھا وصف شرمگاہوں کی حفاظت حرام سے وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ، یعنی وہ لوگ جو اپنی بیویوں اور شرعی لونڈیوں کے علاوہ سب سے اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں ان دونوں کے ساتھ شرعی ضابطہ کے مطابق شہوتِ نفس پوری کرنے کے علاوہ کسی سے کسی ناجائز طریقہ پر شہوت رانی میں مبتلا نہیں ہوتے۔ اس آیت کے ختم پر ارشاد فرمایا فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ، یعنی شرعی قاعدے کیمطابق اپنی بیوی یا لونڈی سے شہوتِ نفس کو تسکین دینے والوں پر کوئی ملامت نہیں۔ اسمیں اشارہ ہے کہ اس ضرورت کو ضرورت کے درجہ میں رکھنا ہے مقصدِ زندگی بنانا نہیں۔ اسکا درجہ اتنا ہی ہے کہ جو ایسا کرے وہ قابلِ ملامت نہیں واللہ اعلم۔

فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ، یعنی منکوحہ بیوی یا شرعی قاعدہ سے حاصل شدہ لونڈی کیساتھ شرعی قاعدے کے مطابق قضاءِ شہوت کے علاوہ اور کوئی بھی صورت شہوت پورا کرنے کی حلال نہیں اسمیں زنا بھی داخل ہے اور جو عورت شرعاً اُس پر حرام ہے اُس سے نکاح

یعنی بحکم زنا ہے اور اپنی بیوی یا لونڈی سے حیض و نفاس کی حالت میں یا غیر فطری طور پر جماع کرنا بھی اس میں داخل ہے۔ یعنی کسی مرد یا لڑکے سے یا کسی جانور سے شہوت پوری کرنا بھی۔ اور جمہور کے نزدیک استمنا بالید یعنی اپنے ہاتھ سے منی خارج کر لینا بھی اسی میں داخل ہے۔ (از تفسیر بیان القرآن۔ قرطبی۔ بحر محیط وغیرہ)

پانچواں وصف امانت کا حق ادا کرنا وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ لفظ امانت کے لغوی معنے ہر اس چیز کو شامل ہیں جس کی ذمہ داری کسی شخص نے اٹھائی ہو اور اس پر اعتماد و بھروسہ کیا گیا ہو اس کی قسمیں چونکہ بیشمار ہیں اسی لئے باوجود مصدر ہونے کے اسکو بصیغہ جمع لایا گیا ہے تاکہ امانت کی سب قسموں کو شامل ہو جائے خواہ وہ حقوق اللہ سے متعلق ہوں یا حقوق العباد سے۔ حقوق اللہ سے متعلق امانات تمام شرعی فرائض و واجبات کا ادا کرنا اور تمام محرمات و مکروہات سے پرہیز کرنا ہے اور حقوق العباد سے متعلق امانات میں مالی امانت کا داخل ہونا تو معروف و مشہور ہے کہ کسی شخص نے کسی کے پاس اپنا کوئی مال امانت کے طور پر رکھ دیا یہ اسکی امانت ہے اس کی حفاظت اسکے واپس کرنے تک اس کی ذمہ داری ہے۔ اسکے علاوہ کسی نے کوئی راز کی بات کسی سے کہی وہ بھی اسکی امانت ہے بغیر اذنِ شرعی کے کسی کا راز ظاہر کرنا امانت میں خیانت ہے۔ مزدور، ملازم کو جو کام سپرد کیا گیا اسکے لئے جتنا وقت خرچ کرنا باہم طے ہوگیا اسمیں اس کام کو پورا کرنے کا حق ادا کرنا اور مزدوری ملازمت کے لئے جتنا وقت مقرر ہے اسکو اسی کام میں لگانا بھی امانت ہے کام کی چوری یا وقت کی چوری خیانت ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ امانت کی حفاظت اور اسکا حق ادا کرنا بڑا جامع لفظ ہے سب مذکورہ تفصیلات اسمیں داخل ہیں۔

چھٹا وصف عہد پورا کرنا ہے۔ عہد ایک تو وہ معاہدہ ہے جو دو طرف سے کسی معاملے کے سلسلے میں لازم قرار دیا جائے اسکا پورا کرنا فرض اور اسکے خلاف کرنا غدر اور دھوکا ہے جو حرام ہے۔ دوسرا وہ جس کو وعدہ کہتے ہیں یعنی یکطرفہ صورت سے کوئی شخص کسی شخص سے کسی چیز کے دینے کا یا کسی کام کے کرنے کا وعدہ کرے۔ اسکا پورا کرنا بھی شرعاً لازم و واجب ہو جاتا ہے۔ حدیث میں ہے العدۃ دین یعنی وعدہ ایک قسم کا قرض ہے۔ جیسے قرض کی ادائیگی واجب ہے ایسے ہی وعدہ کا پورا کرنا واجب ہے بلا عذر شرعی اسکے خلاف کرنا گناہ ہے۔ فرق دونوں قسموں میں یہ ہے کہ پہلی قسم کے پورا کرنے پر دوسرا آدمی اس کو بذریعہ عدالت بھی مجبور کر سکتا ہے یکطرفہ وعدہ کو پورا کرنے کے لئے بذریعہ عدالت مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ دیانۃً اسکا پورا کرنا بھی واجب اور بلا عذر شرعی خلاف کرنا گناہ ہے۔

ساتواں وصف نماز پر محافظت ہے وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰي صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ نماز کی محافظت سے مراد اس کی پابندی کرنا اور ہر ایک نماز کو اسکے وقت مستحب میں ادا کرنا ہے۔

(کذا فسرہ ابن مسعودؓ۔ روح) یہاں صلوات کا لفظ جمع اسلئے لایا گیا ہے کہ مراد اس سے پانچ وقت کی نمازیں ہیں جن کو اپنے اپنے وقت مستحب میں پابندی سے ادا کرنا مقصود ہے اور شروع میں جہاں مقصود بالذکر خشوع تھا وہاں لفظ مفرد لایا گیا کہ مطلقاً جنس نماز خواہ فرض ہو یا واجب، سنت ہو یا نفل سب کی روح خشوع ہے۔ غور کیا جائے تو ان سات اوصاف مذکورہ میں تمام حقوق اللہ اور حقوق العباد اور ان سے متعلقہ احکام آجاتے ہیں جو شخص ان اوصاف کے ساتھ متصف ہو جائے اور اس پر جما رہے وہ مومن کامل فلاحِ دنیا و آخرت کا مستحق ہے۔

یہ بات قابلِ نظر ہے کہ ان سات اوصاف کو شروع بھی نماز سے کیا گیا اور ختم بھی نماز پر کیا گیا اس میں اشارہ ہے کہ اگر نماز کو نماز کی طرح پابندی اور آداب نماز کیساتھ ادا کیا جائے تو باقی اوصاف اسمیں خود بخود پیدا ہوتے چلے جائیں گے واللہ اعلم

اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ اوصافِ مذکورہ کے حامل لوگوں کو اس آیت میں جنت الفردوس کا وارث فرمایا ہے لفظ وارث میں اشارہ اسطرف ہے کہ جسطرح مورث کا مال اسکے وارث کو پہنچنا قطعی اور لازمی ہے اسی طرح ان اوصاف والوں کا جنت میں داخلہ یقینی ہے اور قَدْ اَفْلَحَ کے بعد اوصاف مفلحین پورے ذکر کرنے کے بعد اس جملے میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ فلاحِ کامل اور اصلی فلاح کی جگہ جنت ہی ہے۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ﴿۱۲﴾ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً

اور ہم نے بنایا آدمی کو چنی ہوئی مٹی سے پھر ہم نے رکھا اسکو پانی کی بوند کرکے

فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ﴿۱۳﴾ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً

ایک جمے ہوئے ٹھکانہ میں پھر بنایا اس بوند سے لہو جما ہوا پھر بنایا اس لہو جمے ہوئے سے گوشت

فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ۚ ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ ۭ

کی بوٹی پھر بنائیں اس بوٹی سے ہڈیاں پھر پہنایا ان ہڈیوں پر گوشت پھر اٹھا کھڑا کیا اسکو ایک نئی صورت میں

فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ ﴿۱۴﴾ ثُمَّ اِنَّكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ لَمَيِّتُوْنَ ﴿۱۵﴾

سو بڑی برکت اللہ کی جو سب سے بہتر بنانے والا ہے پھر تم اسکے بعد مرو گے۔

ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ ﴿۱۶﴾ وَلَقَدْ خَلَقْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعَ طَرَاۗىِٕقَ ڰ

پھر تم قیامت کے دن کھڑے کئے جاؤ گے اور ہم نے بنائے تمہارے اوپر سات رستے

وَمَا كُنَّا عَنِ الْخَلْقِ غٰفِلِيْنَ ﴿۱۷﴾ وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءًۢ بِقَدَرٍ

اور ہم نہیں ہیں خلق سے بے خبر اور اتارا ہم نے آسمان سے پانی ماپ کر پھر اس کو

فَاَسْكَنّٰهُ فِی الْاَرْضِ ۖ وَاِنَّا عَلٰی ذَهَابٍۢ بِهٖ لَقٰدِرُوْنَ ﴿۱۸﴾ فَاَنْشَاْنَا

ٹھہرادیا زمین میں اور ہم اس کو لے جائیں تو بیجا سکتے ہیں پھر اُگا دیئے

لَكُمْ بِهٖ جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِیْلٍ وَّاَعْنَابٍ ۘ لَكُمْ فِیْهَا فَوَاكِهُ كَثِیْرَةٌ وَّمِنْهَا

تمہارے واسطے اس سے باغ کھجور اور انگور کے، تمہارے واسطے اُنمیں میوے ہیں بہت اور اُنہی میں سے

تَاْكُلُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَشَجَرَةً تَخْرُجُ مِنْ طُوْرِ سَیْنَآءَ تَنْۢبُتُ بِالدُّهْنِ

کھاتے ہو اور وہ درخت جو نکلتا ہے سینا پہاڑ سے لے اُگتا ہے تیل

وَصِبْغٍ لِّلْاٰكِلِیْنَ ﴿۲۰﴾ وَاِنَّ لَكُمْ فِی الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ؕ نُسْقِیْكُمْ

اور روٹی ڈبونا کھانے والوں کے واسطے اور تمہارے لئے چوپایوں میں دھیان کرنے کی بات ہے پلاتے ہیں ہم تم کو

مِّمَّا فِیْ بُطُوْنِهَا وَلَكُمْ فِیْهَا مَنَافِعُ كَثِیْرَةٌ وَّمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۲۱﴾

اُن کے پیٹ کی چیز سے اور تمہارے لئے اُن میں بہت فائدے ہیں اور بعضوں کو کھاتے ہو

وَعَلَیْهَا وَعَلَی الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ ﴿۲۲﴾

اور اُن پر اور کشتیوں پر لدے پھرتے ہو

خلاصۂ تفسیر

(اول بیان ہے ایجادِ انسان کا) اور ہم نے انسان کو مٹی کے خلاصہ (یعنی غذا) سے بنایا (یعنی اول مٹی ہوتی ہے پھر اس سے بذریعہ نباتات کے غذا حاصل ہوتی ہے) پھر ہم نے اس کو نطفہ سے بنایا جو کہ (ایک مدت معینہ تک) ایک محفوظ مقام (یعنی رحم) میں رہا (اور وہ غذا سے حاصل ہوا تھا) پھر ہم نے اس نطفہ کو خون کا لوتھڑا بنایا پھر ہم نے اس خون کے لوتھڑے کو (گوشت کی) بوٹی بنادیا پھر ہمنے اس بوٹی (کے بعض اجزاء) کو ہڈیاں بنادیا پھر ہم نے ان ہڈیوں پر گوشت چڑھادیا (جس سے وہ ہڈیاں ڈھک گئیں) پھر (ان سب انقلابات کے بعد) ہم نے (اسمیں روح ڈال کر) اس کو ایک دوسری ہی (طرح کی) مخلوق بنادیا (جو حالات سابقہ سے نہایت ہی متمائز و متباین ہے کیونکہ اس سے پہلے سب انقلابات ایک جماد بے جان میں ہو رہے تھے اور اب یہ ایک ذی حیات زندہ انسان بن گیا) سو کیسی شان ہے اللہ کی جو تمام صناعوں سے بڑھکر ہے (کیونکہ دوسرے صناع تو اللہ کی پیدا کی ہوئی چیزوں میں جوڑ توڑ کر کے ہی بنا سکتے ہیں زندگی پیدا کرنا یہ خاص اللہ ہی کا کام ہے اور نطفہ پر مذکورہ انقلابات کی تفصیل اسی ترتیب کیساتھ قانون وغیرہ کتب طبیہ میں بھی مذکور ہے آگے انسان کے آخری انجام فنا کا بیان ہے) پھر تم بعد اس (تمام قصۂ عجیبہ) کے ضرور ہی مرنے والے ہو (آگے بیان ہے اعادہ کا یعنی) پھر تم قیامت

کے روز دوبارہ زندہ کئے جاؤگے (اور جس طرح ہم نے تم کو ابتداءً وجود عطا فرمایا اسی طرح تمہاری بقا کا سامان بھی کیا کہ) ہمنے تمہارے اوپر سات آسمان (جن میں ملائکہ کے آمد و رفت کیلئے راہیں ہیں) بنائے (کہ اس سے تمہاری بھی بعض مصلحتیں متعلق ہیں) اور ہم مخلوق (کی مصلحتوں) سے بے خبر نہ تھے۔ (بلکہ ہر مخلوق کو مصالح و حکم کی رعایت کر کے بنایا) اور ہم نے (انسان کی بقاء اور نشو و نما کے لئے) آسمان سے (مناسب) مقدار کے ساتھ پانی برسایا پھر ہمنے اسکو (مدت تک) زمین میں ٹھہرایا (چنانچہ کچھ پانی تو زمین کے اوپر رہتا ہے اور کچھ اندر اُتر جاتا ہے جو وقتاً فوقتاً نکلتا رہتا ہے) اور ہم (جس طرح اُس کے برسانے پر قادر ہیں اسی طرح) اُس (پانی) کے معدوم کر دینے پر (بھی) قادر ہیں (خواہ ہوا کی طرف مستحیل کر کے خواہ اتنی دُور زمین کی گہرائی میں اُتار کر کہ آلات کے ذریعہ سے نہ نکال سکو مگر ہمنے باقی رکھا) پھر ہمنے اس (پانی) کے ذریعہ سے باغ پیدا کئے کھجوروں کے اور انگوروں کے تمہارے واسطے اُن (کھجوروں انگوروں) میں بکثرت میوے بھی ہیں (جبکہ ان کو تازہ تازہ کھایا جاوے تو میوہ سمجھا جاتا ہے) اور ان میں سے (جو بچا کر خشک کر کے رکھ لیا جاتا ہے اسکو بطور غذا کے) کھاتے بھی ہو اور (اُسی پانی سے) ایک (زیتون کا) درخت بھی (ہم نے پیدا کیا) جو کہ طورِ سینا میں (بکثرت) پیدا ہوتا ہے جو اُگتا ہے تیل لئے ہوئے اور کھانے والوں کے لئے سالن لئے ہوئے (یعنی اُس کے پھل سے دونوں فائدے حاصل ہوتے ہیں خواہ روشن کرنے کے اور مالش کرنے کے کام میں لاؤ خواہ اُسمیں روٹی ڈبو کر کھاؤ یہ سامان مذکور پانی اور نباتات سے تھا) اور (آگے حیوانات کے ذریعہ انسان کے منافع اور آسانیوں کا بیان ہے کہ) تمہارے لئے مواشی میں (بھی) غور کرنے کا موقع ہے کہ ہم تم کو اُن کے جوف میں کی چیز (یعنی دودھ) پینے کو دیتے ہیں اور تمہارے لئے اُنمیں اور بھی بہت سے فائدے ہیں (کہ ان کے بال اور اُون کام آتی ہے) اور (نیز) اُنہیں سے بعض کو کھاتے بھی ہو اور اُن (میں جو بار برداری کے قابل ہیں اُن) پر اور کشتی پر لدے پھرتے (بھی) ہو۔

معارف و مسائل

پچھلی آیات میں انسان کی فلاحِ دُنیا و آخرت کا طریقہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اُسکے احکام کی تعمیل میں اپنے ظاہر و باطن کو پاک رکھنے اور تمام انسانوں کے حقوق ادا کرنے سے بیان کیا گیا تھا۔ آیاتِ مذکورہ میں اللہ جل شانہٗ کی قدرتِ کاملہ اور بنی نوع انسان کی تخلیق میں اُسکے مظاہر خاص کا ذکر ہے جس سے واضح ہو جائے کہ انسان جسکو عقل و شعور ہو وہ اس کے سوا کوئی دوسرا راستہ اختیار کر ہی نہیں سکتا۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِیْنٍ ، سُلالہ بمعنے خلاصہ اور طین، گیلی مٹی،

جس کے معنے یہ ہیں کہ زمین کی مٹی کے خاص اجزاء نکال کر اس سے انسان کو پیدا کیا گیا۔ انسان کی تخلیق کی ابتدا حضرت آدم علیہ السلام سے اور اُن کی تخلیق اس مٹی کے خلاصہ سے ہوئی اس لئے ابتدائی تخلیق کو مٹی کیطرف منسوب کیا گیا اسکے بعد ایک انسان کا نطفہ دوسرے انسان کی تخلیق کا سبب بنا۔ اگلی آیت میں اسی کا بیان ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً سے فرمایا ہے مطلب یہ ہے کہ ابتدائی تخلیق مٹی سے ہوئی پھر آگے سلسلۂ تخلیق اسی مٹی کے جزء لطیف یعنی نطفہ سے جاری کر دی گئی۔ جمہور مفسرین نے آیت مذکورہ کی تفسیر یہی لکھی ہے اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِیْنٍ سے مراد بھی نطفہ انسانی ہو کیونکہ وہ غذا سے پیدا ہوتا ہے اور غذا انسانی مٹی سے بنتی ہے۔ واللہ اعلم

تخلیق انسانی کے سات مدارج | آیاتِ مذکورہ میں انسان کی تخلیق کی سات دور ذکر کئے گئے ہیں۔ سب سے پہلے سلالۃ من طین، دوسرے درجہ میں نطفہ، تیسرے میں علقہ، چوتھے میں مضغہ پانچویں میں عظام یعنی ہڈیاں، چھٹے دور میں ہڈیوں پر گوشت چڑھانا۔ ساتواں دور تکمیلِ تخلیق کا ہے یعنی رُوح پھونکنا۔

ایک لطیفہ عجیبہ از حضرت ابن عباسؓ | تفسیر قرطبی میں اس جگہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے اسی آیت سے استدلال کر کے ایک عجیب لطیفہ شبِ قدر کی تعیین میں نقل کیا ہے وہ یہ ہے کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ اکابرِ صحابہ کے مجمع سے سوال کیا کہ شبِ قدر رمضان کی کونسی تاریخ میں ہے؟ سب نے جواب میں صرف اتنا کہا کہ اللّٰہُ اعلم کوئی تعیین بیان نہیں کی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ ان سب میں چھوٹے تھے اُن سے خطاب فرمایا کہ آپ کیا کہتے ہیں تو ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ امیر المؤمنین اللہ تعالیٰ نے آسمان سات پیدا کئے، زمینیں سات پیدا کیں، انسان کی تخلیق سات درجات میں فرمائی۔ انسان کی غذاء سات چیزیں بنائیں اسلئے میری سمجھ میں تو یہ آتا ہے کہ شبِ قدر ستائیسویں شب ہوگی۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے یہ عجیب استدلال سُن کر اکابرِ صحابہ سے فرمایا کہ آپ سے وہ بات نہ ہو سکی جو اس لڑکے نے کی جس کے سر کے بال بھی ابھی مکمل نہیں ہوئے۔ یہ حدیث طویل ابن ابی شیبہ کے مُسند میں ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے تخلیق انسانی کے سات درجات سے مراد وہی لیا ہے جو اس آیت میں ہے اور انسان کی غذاء کی سات چیزیں سورہ عبس کی آیت میں ہیں فَاَنْۢبَتْنَا فِیْهَا حَبًّا وَّعِنَبًا وَّقَضْبًا وَّزَیْتُوْنًا وَّنَخْلًا وَّحَدَآئِقَ غُلْبًا وَّفَاكِهَةً وَّاَبًّا، اس آیت میں آٹھ چیزیں مذکور ہیں جنمیں پہلی سات انسان کی غذاء اور آخری یعنی اَبّ یہ جانوروں کی غذا ہے۔ (قرطبی)

پھر تخلیق انسانی پر جو سات دور گزرتے ہیں قرآن کریم کی بلاغت دیکھئے کہ ان سب کو ایک ہی انداز سے بیان نہیں فرمایا بلکہ کہیں ایک دور سے دوسرے دور تک انقلاب کو لفظ ثُمَّ

سے تعبیر کیا ہے جو تراخی یعنی کچھ دیر سے ہونے پر دلالت کرتا ہے کہیں اس انقلاب کا ذکر حرف فا سے کیا ہے جو بلا تاخیر ہونے پر دلالت کرتا ہے اسمیں اشارہ اس ترتیب کی طرف ہے جو ایک انقلاب سے دوسرے انقلاب کے درمیان فطرۃً ہوتی ہے کہ بعض انقلابات انسانی عقل کے لحاظ سے بہت مشکل اور بہت دیر طلب ہوتے ہیں۔ بعض اتنے دیر طلب نہیں ہوتے چنانچہ قرآن کریم نے ابتدائی تین دور کو لفظ ثُمَّ کیساتھ بیان کیا ہے اوّل سلالہ طین پھر اس کو نطفہ کی صورت میں تبدیل کرنا۔ اسکو لفظ ثُمَّ سے فرمایا ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً کیونکہ مٹی سے غذا کا پیدا ہونا پھر غذا کا جزوِ بدن ہونا پھر اُسمیں سے جزء خاص کا نطفہ کی صورت میں تبدیل ہونا انسانی قیاس کی رو سے بڑا وقت چاہتا ہے۔ اسی طرح اسکے بعد تیسرا درجہ نطفہ کا گوشت کے ٹکڑے کی شکل میں تبدیل ہونا یہ بھی ایک طویل وقت چاہتا ہے اس کو بھی ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً سے تعبیر فرمایا۔ اسکے بعد کے تین دور علقہ سے مضغہ مضغہ سے ہڈیاں اور ہڈیوں پر گوشت چڑھانا ان سب کا تھوڑی تھوڑی مدت میں ہو جانا مستبعد نہیں معلوم ہوتا تو ان تینوں کو حرف فا سے بیان فرمایا ہے۔ پھر آخری دور جو نفخ روح اور زندگی پیدا کرنیکا ہے اسکو بھی لفظ ثُمَّ سے تعبیر فرمایا کیونکہ ایک غیر ذی روح جماد میں رُوح اور حیات پیدا کرنا گویا عقل میں بڑی مدت چاہتا ہے اسلئے یہاں پھر لفظ ثُمَّ لایا گیا۔

خلاصہ یہ ہے کہ ایک دور سے دوسرے دور کیطرف انقلاب جن صورتوں میں انسانی عقل و قیاس کے مطابق دیر طلب اور مدت کا کام تھا وہاں لفظ ثُمَّ سے اس کی طرف اشارہ کر دیا گیا اور جہاں عام انسانی قیاس کی رُو سے زیادہ مدت درکار نہیں تھی وہاں حرف فا سے تعبیر کر کے اس کی طرف اشارہ کر دیا گیا۔ اسلئے اس پر اُس حدیث سے شبہ نہیں ہو سکتا جس میں یہ بیان فرمایا ہے کہ ہر دور سے دوسرے دور تک منقلب ہونے میں چالیس چالیس دن صرف ہوتے ہیں کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کا کام ہے جو انسانی قیاس کے تابع نہیں۔

تخلیق انسانی کا آخری مقام یعنی اس میں روح و حیات پیدا کرنا | اس کا بیان قرآن کریم نے ایک خاص اور ممتاز انداز سے اسطرح فرمایا ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ یعنی پھر ہم نے اسکو ایک خاص قسم کی اور پیدائش عطا کی۔ اس امتیازِ بیان کی وجہ یہ ہے کہ پہلے چھ دور تخلیق کے عالمِ عناصر اور مادیات سے اور اُن میں انقلاب و تبدیل سے متعلق تھے اور یہ آخری ساتواں دور دوسرے عالم یعنی عالمِ ارواح سے رُوح کو اسکے جسم میں منتقل کرنیکا دور تھا اسلئے اسکو خلقاً آخر سے تعبیر کیا گیا۔

رُوحِ حقیقی اور روحِ حیوانی | یہاں خلقاً آخر کی تفسیر حضرت ابن عباسؓ، مجاہدؒ، شعبیؒ، عکرمہؒ، ضحاکؒ ابوالعالیہؒ وغیرہ نے نفخِ روح سے فرمائی ہے۔ تفسیر مظہری میں ہے کہ غالباً مراد اس روح سے رُوحِ حیوانی ہے کہ وہ بھی مادی اور ایک جسم لطیف ہے جو جسم حیوانی کے ہر ہر جزؤ میں سمایا ہوا ہوتا ہے

جس کو اطبار اور فلاسفہ روح کہتے ہیں۔ اُس کی تخلیق بھی تمام اعضار انسانی کی تخلیق کے بعد ہوتی ہے اسلئے اسکو لفظ ثُمَّ سے تعبیر فرمایا ہے۔ اور روح حقیقی جسکا تعلق عالم ارواح سے ہے وہ یہی سے لاکر اس رُوحِ حیوانی کے ساتھ اسکا کوئی رابطہ حق تعالیٰ اپنی قدرت سے پیدا فرما دیتے ہیں جسکی حقیقت کا پہچاننا انسان کے بس کا نہیں اس روحِ حقیقی کی تخلیق تو تمام انسانوں کی تخلیق سے بہت پہلے ہو چکی ہے انھیں ارواح کو حق تعالیٰ نے ازل میں جمع کرکے اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ فرمایا اور سب نے بَلٰی کے لفظ سے اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا اقرار کیا۔ ہاں اسکا تعلق جسم انسانی کے ساتھ تخلیق اعضار انسانی کے بعد ہوتا ہے۔ اس جگہ نفخِ روح سے اگر یہ مراد لیجائے کہ روحِ حیوانی کیساتھ روحِ حقیقی کا تعلق اسوقت قائم فرمایا گیا تو یہ بھی ممکن ہے۔ اور درحقیقت حیاتِ انسان اسی رُوحِ حقیقی سے متعلق ہے جب اس کا تعلق روحِ حیوانی کے ساتھ ہو جاتا ہے تو انسان زندہ کہلاتا ہے جب منقطع ہو جاتا ہے تو انسان مُردہ کہلاتا ہے وہ روحِ حیوانی بھی اپنا عمل چھوڑ دیتی ہے۔

فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِیْنَ، خلق و تخلیق کے اصلی معنے کسی چیز کو از سرِ نو بغیر کسی مادہ سابقہ کے پیدا کرنا ہے جو حق تعالیٰ جل شانہٗ کی مخصوص صفت ہے اس معنے کے اعتبار سے خالق صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے کوئی دوسرا شخص فرشتہ ہو یا انسان کسی ادنیٰ چیز کا خالق نہیں ہو سکتا لیکن کبھی کبھی یہ لفظ خلق و تخلیق صنعت کے معنی میں بھی استعمال کیا جاتا ہے اور صنعت کی حقیقت اس سے زائد نہیں کہ اللہ جل شانہٗ نے جو مواد اور عناصر اس جہان میں اپنی قدرتِ کاملہ سے پیدا فرما دیئے ہیں انکو جوڑ توڑ کر ایک دوسرے کے ساتھ مرکب کرکے ایک نئی چیز بنادی جائے یہ کام ہر انسان کر سکتا ہے اور اسی معنے کے لحاظ سے کسی انسان کو بھی کسی خاص چیز کا خالق کہدیا جاتا ہے۔ خود قرآن کریم نے فرمایا تَخْلُقُوْنَ اِفْكًا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں فرمایا اِنِّیْٓ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّیْنِ كَهَیْـَٔةِ الطَّیْرِ، ان تمام مواقع میں لفظ خلق مجازی طور پر صنعت کے معنے میں بولا گیا ہے۔

اسی طرح یہاں لفظ خَالِقِیْنَ بصیغہ جمع اسی لئے لایا گیا ہے کہ عام انسان جو اپنی صنعت گری کے اعتبار سے اپنے کو کسی چیز کا خالق سمجھتے ہیں اگر ان کو مجازاً خالق کہا بھی جائے تو اللہ تعالیٰ ان سب خالقوں یعنی صنعت گروں میں سب سے بہتر صنعت کرنے والے ہیں۔ واللہ اعلم

ثُمَّ اِنَّكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ لَمَیِّتُوْنَ، پچھلی تین آیتوں میں انسان کے مَبْدَأ یعنی ابتدار آفرینش کا ذکر تھا۔ اب دو آیتوں میں اُسکے معاد یعنی انجام کار کا ذکر ہے۔ آیت مذکورہ میں فرمایا کہ پھر تم سب اس دُنیا میں آنے اور رہنے کے بعد موت سے دوچار ہونے والے ہو جس سے کوئی مستثنیٰ نہیں ہو سکتا۔ پھر فرمایا کہ ثُمَّ اِنَّكُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ، یعنی مرنے کے بعد پھر قیامت کے روز تم سب زندہ کرکے اُٹھائے جاؤ گے تاکہ تمہارے اعمال کا حساب لیکر اصلی ٹھکانے جنت یا دوزخ تک

۲۰ پہنچا دیا جائے۔ یہ انسان کا انجام ہوا، آگے آغاز و انجام یعنی مبدأ و معاد کے درمیانی حالات اور اُن میں انسان پر حق تعالیٰ کے احسانات و انعامات کی تھوڑی سی تفصیل ہے جس کو اگلی آیت میں آسمان کی تخلیق کے ذکر سے شروع فرمایا ہے۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعَ طَرَآئِقَ، طرائق، طریقہ کی جمع ہے اس کو بمعنی طبقہ بھی لیا جا سکتا ہے جس کے معنے یہ ہوں گے کہ تہ بہ تہ سات آسمان تمہارے اُوپر بنائے گئے اور طریقہ کے معنے مشہور راستہ کے ہیں۔ یہ معنے بھی ہو سکتے ہیں کہ یہ سب آسمان فرشتوں کی گزرگاہیں ہیں جو احکام لیکر زمین پر آتے جاتے ہیں۔

وَمَا كُنَّا عَنِ الْخَلْقِ غٰفِلِیْنَ، اسمیں بتلایا کہ ہم نے انسان کو صرف پیدا کرکے نہیں چھوڑ دیا اور اُس سے غافل نہیں ہو سکتے بلکہ اُس کے نشوونما، اور رہائش و آسائش کے سامان بھی مہیا کئے۔ جس کی ابتدا آسمانوں کی تخلیق سے ہوئی پھر آسمان سے بارش برسا کر انسان کے لئے غذا اور اسکی آسائش کا سامان پھلوں پھولوں سے پیدا کیا جس کا ذکر بعد کی آیت میں اسطرح فرمایا۔

وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ فَاَسْكَنّٰهُ فِی الْاَرْضِ ۖ وَاِنَّا عَلٰی ذَهَابٍۭ بِهٖ لَقٰدِرُوْنَ

انسانوں کو آب رسانی کا قدرتی عجیب و غریب نظام

اس آیت میں آسمان سے پانی برسانے کے ذکر کے ساتھ ایک قید بِقَدَرٍ کی بڑھا کر اس طرف اشارہ کر دیا کہ انسان ایسا ضعیف الخلقت ہے کہ جو چیزیں اس کے لئے مدارِ زندگی ہیں اگر وہ مقدارِ مقدّر سے زائد ہو جاویں تو وہی اس کیلئے وبالِ جان اور عذاب بن جاتی ہیں پانی جیسی چیز جس کے بغیر کوئی انسان و حیوان زندہ نہیں رہ سکتا اگر ضرورت سے زیادہ برس جائے تو طوفان آجاتا ہے اور انسان اور اسکے سامان کے لئے وبال و عذاب بنجاتا ہے۔ اس لئے آسمان سے پانی برسانا بھی ایک خاص پیمانے سے ہوتا ہے جو انسان کی ضرورت پوری کردے اور طوفان کی صورت اختیار نہ کرے بجز اُن خاص مقامات کے جن پر اللہ تعالیٰ کی حکمت کا تقاضا ہی کسی وجہ سے طوفان مسلط کرنیکا سبب ہو جائے۔ اس کے بعد بڑا غور طلب مسئلہ یہ تھا کہ پانی اگر روزانہ کی ضرورت کا روزانہ برسا کرے تو بھی انسان مصیبت میں آجائے روز کی بارش اُس کے کاروبار اور مزاج کے خلاف ہے۔ اور اگر سال بھر یا چھ مہینے یا تین مہینے کی ضرورت کا پانی ایک دفعہ برسایا جائے اور لوگوں کو حکم ہو کہ اپنا اپنا کوٹہ پانی کا چھ مہینے کے لئے جمع کرکے رکھو اور استعمال کرتے رہو تو ہر انسان کیا اکثر انسان بھی اتنے پانی کے جمع رکھنے کا انتظام کیسے کریں اور کسی طرح بڑے حوضوں اور گڑھوں میں بھر لینے کا انتظام بھی کرلیں تو چند روز کے بعد یہ پانی سڑ جائیگا جسکا پینا بلکہ استعمال کرنا بھی دشوار ہو جائے گا اسلئے قدرتِ حق جل شانہٗ نے اسکا انتظام یہ بنایا کہ پانی جس وقت برستا ہے اسوقت وقتی طور پر جتنے درخت اور زمینیں سیرابی کے قابل ہیں وہ سیراب ہو جاتے ہیں

پھر زمین کے مختلف تالابوں، حوضوں اور قدرتی گڑھوں میں یہ پانی جمع رہتا ہے جس کو انسان اور جانور ضرورت کے وقت استعمال کرتے ہیں مگر ظاہر ہے یہ پانی چند روز میں ختم ہو جاتا ہے۔ دائمی طور پر روزانہ انسان کو تازہ پانی کس طرح پہنچے جو ہر خطے کے باشندوں کو مل سکے؟ اسکا انتظام قدرت نے یہ بنایا کہ پانی کا بہت بڑا حصہ برف کی صورت میں ایک بحر منجمد بنا کر پہاڑوں کے سروں پر ایسی پاک صاف فضا میں رکھ دیا جہاں نہ گرد و غبار کی رسائی نہ کسی آدمی اور جانور کی اور جس میں نہ سڑنے کا امکان ہے نہ اُسکے ناپاک یا خراب ہونے کی کوئی صورت ہے پھر یہ برف کا پانی آہستہ آہستہ رِس رِس کر پہاڑوں کی رگوں کے ذریعہ زمین کے اندر پھیلتا ہے اور یہ قدرتی پائپ لائن پوری زمین کے گوشہ گوشہ میں پہنچ جاتی ہے جہاں سے کچھ تو چشمے خود پھوٹ نکلتے ہیں اور ندی نالے اور نہروں کی شکل میں زمین پر بہنے لگتے ہیں اور تازہ بتازہ جاری پانی کروڑوں انسانوں اور جانوروں کو سیراب کرتا ہے اور کچھ یہی پہاڑی برف سے بہنے والا پانی زمین کی تہ میں اُتر کر نیچے نیچے بہتا رہتا ہے اور اُس کو کنواں کھود کر ہر جگہ نکالا جا سکتا ہے۔ قرآن کریم کی آیت مذکورہ میں اس پورے نظام کو ایک لفظ فَاَسْكَنّٰهُ فِي الْاَرْضِ سے بیان فرما دیا ہے آخر میں اسطرف بھی اشارہ کر دیا کہ زمین کی تہ سے جو پانی کنوؤں کے ذریعہ نکالا جاتا ہے یہ بھی قدرت کیطرف سے آسانی ہے کہ بہت زیادہ گہرائی میں نہیں بلکہ تھوڑی گہرائی میں یہ پانی رکھا گیا ہے۔ ورنہ یہ بھی ممکن تھا بلکہ پانی کی طبعی خاصیت کا تقاضا یہی تھا کہ یہ پانی زمین کی گہرائی میں اُترتا چلا جاتا، جہاں تک انسان کی رسائی ممکن نہیں۔ اسی مضمون کو آیت کے آخری جملہ میں ارشاد فرمایا وَاِنَّا عَلٰي ذَهَابٍۢ بِهٖ لَقٰدِرُوْنَ۔

آگے پانی کے ذریعہ پیدا ہونے والی خاص خاص چیزوں کو عرب کے مزاج و مذاق کے مطابق ذکر فرمایا کہ کھجور اور انگور کے باغات اُس سے پیدا ہوئے اور دوسرے پھلوں کو ایک عام لفظ میں جمع کر کے ذکر فرمایا لَكُمْ فِيْهَا فَوَاكِهُ كَثِيْرَةٌ یعنی ان باغات میں تمہارے لئے کھجور انگور کے علاوہ ہزاروں قسم کے پھل پیدا کئے جن کو تم محض تفریحی اور شوقیہ طور پر بھی کھاتے ہو اور اُن میں سے بعض پھلوں کا ذخیرہ کر کے تمہاری مستقل غذا بھی اُن سے تیار ہوتی ہے وَّمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ کا یہی مطلب ہے۔ آگے خصوصیت سے زیتون اور اُسکے تیل کے پیدا کرنے کا ذکر فرمایا کیونکہ اسکے منافع بیشمار ہیں۔ اور چونکہ زیتون کے درخت کوہ طور پر زیادہ پیدا ہوتے ہیں اسلئے اسکی طرف نسبت کر دی گئی وَشَجَرَةً تَخْرُجُ مِنْ طُوْرِ سَيْنَاۗءَ، سیناء اور سینین اُس مقام کا نام ہے جس میں کوہ طور واقع ہے۔ زیتون کا تیل تیل کی ضروریات مثلاً بدن کی مالش اور چراغ میں جلانے کے بھی کام آتا ہے اور کھانے میں سالن کا بھی کام دیتا ہے اسی کو فرمایا تَنْۢبُتُ بِالدُّهْنِ وَصِبْغٍ لِّلْاٰكِلِيْنَ، زیتون کے درخت کے لئے کوہ طور کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ درخت سب

سے پہلے کوہ طور ہی پر پیدا ہوا ہے اور بعض نے کہا کہ طوفانِ نوح کے بعد سب سے پہلا درخت جو زمین پر اُگا ہے وہ زیتون تھا۔ (مظہری)

اس کے بعد اُن نعمتوں کا ذکر فرمایا جو اللہ تعالیٰ نے جانوروں چوپایوں کے ذریعہ انسان کو عطا فرمائی تاکہ انسان اُن سے عبرت حاصل کرے اور حق تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور رحمت کاملہ پر استدلال کر کے توحید و عبادت میں مشغول ہو۔ اسی لئے فرمایا وَاِنَّ لَكُمْ فِي الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً، یعنی تمہارے لئے چوپایہ جانوروں میں ایک عبرت و نصیحت ہے آگے اسکی کچھ تفصیل اسطرح بتلائی نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِيْ بُطُوْنِهَا، کہ ان جانوروں کے پیٹ میں ہم نے تمہارے لئے پاکیزہ دودھ تیار کیا جو انسان کی بہترین غذا ہے اور پھر فرمایا کہ صرف دودھ ہی نہیں، ان جانوروں میں تمہارے لئے بہت سے (بیشمار) منافع اور فوائد ہیں وَلَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ كَثِيْرَةٌ، غور کرو تو جانوروں کے جسم کا ایک ایک جز، رُواں رُواں انسان کے کام آتا ہے اور اُس سے انسان کی معیشت کے لئے بیشمار قسم کے سامان تیار ہوتے ہیں۔ جانوروں کے بال، ہڈی، آنتیں، پٹھے اور سبھی اجزاء سے انسان اپنی معیشت کے کتنے سامان بناتا اور تیار کرتا ہے اسکا شمار بھی مشکل ہے ان بیشمار منافع کے علاوہ ایک بڑا نفع یہ بھی ہے کہ ان میں سے جو جانور حلال ہیں اُن کا گوشت بھی انسان کی بہترین غذا ہے وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ۔ آخر میں ان جانوروں کا ایک اور عظیم فائدہ ذکر کیا گیا کہ تم اُن پر سوار بھی ہوتے ہو اور بار برداری کا بھی ان سے کام لیتے ہو۔ اس آخری فائدہ میں چونکہ جانوروں کے ساتھ دریا میں چلنے والی کشتیاں بھی شریک ہیں کہ سواری اور بار برداری کا بڑا کام ان سے نکلتا ہے اس لئے کشتیوں کو بھی اس کے ساتھ ذکر فرما دیا۔ وَعَلَيْهَا وَعَلَي الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ، فلک یعنی کشتیوں ہی کے حکم میں وہ تمام سواریاں بھی ہیں جو پہیوں کے ذریعہ چلنے والی ہیں۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ
اور ہم نے بھیجا نوح کو اُس کی قوم کے پاس تو اُس نے کہا اے قوم بندگی کرو اللہ کی تمہارا کوئی
مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۭ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿٢٣﴾ فَقَالَ الْمَلَؤُا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ
حاکم نہیں اس کے سوائے کیا تم ڈرتے نہیں تب بولے سردار جو کافر تھے اس کی
قَوْمِهٖ مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ يُرِيْدُ اَنْ يَّتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ ۭ وَلَوْ شَاۗءَ
قوم میں یہ کیا ہے آدمی ہے جیسے تم چاہتا ہے کہ بڑائی کرے تم پر اور اگر اللہ
اللّٰهُ لَاَنْزَلَ مَلٰۗىِٕكَةً ښ مَّا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِيْٓ اٰبَاۗىِٕنَا الْاَوَّلِيْنَ ﴿٢٤﴾
چاہتا تو اُتارتا فرشتے ہم نے یہ نہیں سنا اپنے اگلے باپ دادوں میں

إِنْ هُوَ إِلَّا رَجُلٌ بِهِ جِنَّةٌ فَتَرَبَّصُوا بِهِ حَتَّىٰ حِينٍ ﴿٢٥﴾ قَالَ

اور کچھ نہیں یہ ایک مرد ہے کہ اس کو سودا ہے سو راہ دیکھو اسکی ایک وقت تک بولا

رَبِّ انصُرْنِي بِمَا كَذَّبُونِ ﴿٢٦﴾ فَأَوْحَيْنَا إِلَيْهِ أَنِ اصْنَعِ الْفُلْكَ

اے رب تو مدد کر میری کہ انھوں نے مجھ کو جھٹلایا پھر ہم نے حکم بھیجا اس کو کہ بنا کشتی ہماری

بِأَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا فَإِذَا جَاءَ أَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّورُ ۙ فَاسْلُكْ فِيهَا مِن

آنکھوں کے سامنے اور ہمارے حکم سے پھر جب پہنچے ہمارا حکم اور اُبلے تنور تو تو ڈال لے کشتی میں ہر چیز

كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَأَهْلَكَ إِلَّا مَن سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ مِنْهُمْ ۖ

کا جوڑا دو دو اور اپنے گھر کے لوگ مگر جس کی قسمت میں پہلے سے ٹھہر چکی ہے بات

وَلَا تُخَاطِبْنِي فِي الَّذِينَ ظَلَمُوا ۖ إِنَّهُم مُّغْرَقُونَ ﴿٢٧﴾ فَإِذَا اسْتَوَيْتَ

اور مجھ سے بات نہ کر ان ظالموں کے واسطے بیشک ان کو ڈوبنا ہے پھر جب چڑھ چکے

أَنتَ وَمَن مَّعَكَ عَلَى الْفُلْكِ فَقُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي نَجَّانَا

تو اور جو تیرے ساتھ ہے کشتی پر تو کہہ شکر اللہ کا جس نے چھڑایا ہم کو

مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ﴿٢٨﴾ وَقُل رَّبِّ أَنزِلْنِي مُنزَلًا مُّبَارَكًا وَأَنتَ

گنہگار لوگوں سے اور کہہ اے رب اُتار مجھ کو برکت کا اُتارنا اور تو ہے

خَيْرُ الْمُنزِلِينَ ﴿٢٩﴾ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ وَإِن كُنَّا لَمُبْتَلِينَ ﴿٣٠﴾

بہتر اُتارنے والا اس میں نشانیاں ہیں اور ہم ہیں جانچنے والے

خلاصۂ تفسیر

(اس سے پہلی آیتوں میں انسان کی تخلیق اور اس کی بقاء و آسائش کے لئے مختلف قسم کے سامان پیدا کرنے کا ذکر تھا آگے اُس کی روحانی تربیت اور دینی فلاح کا جو انتظام فرمایا اسکا ذکر ہے) اور ہم نے نوح (علیہ السلام) کو اُن کی قوم کی طرف پیغمبر کر کے بھیجا سو انھوں نے (اپنی قوم سے) فرمایا کہ اے میری قوم اللہ ہی کی عبادت کیا کرو اُسکے سوا کوئی تمہارے لئے معبود بنانے کے لائق نہیں (اور جب یہ ایک بات ثابت ہے تو) پھر کیا تم (دوسروں کے معبود بنانے سے) ڈرتے نہیں ہو پس (نوح علیہ السلام کی یہ بات سُن کر) اُن کی قوم میں جو کافر رئیس تھے (عوام سے) کہنے لگے کہ یہ شخص بجز اسکے کہ تمہاری طرح کا ایک معمولی آدمی ہے اور کچھ (رسول وغیرہ) نہیں ہے (اس دعوے سے) اُس کا (اصل) مطلب یہ ہے کہ تم سے برتر ہو کر رہے (یعنی اسکا مقصد محض اپنی جاہ و عزت ہے) اور اگر اللہ کو (رسول بھیجنا) منظور ہوتا تو (اس کام کے لئے) فرشتوں کو بھیجتا

(پس دعویٰ ان کا غلط ہے اسی طرح ان کی دعوت کرنا توحید کیطرف یہ دوسری غلطی ہے کیونکہ) ہم نے یہ بات (کہ اور کسی کو معبود مت قرار دو) اپنے پہلے بڑوں میں (کبھی) نہیں سُنی بس یہ ایک آدمی ہے جس کو جنون ہو گیا ہے (اس واسطے ساری دُنیا کے خلاف باتیں کرتا ہے کہ میں رسول ہوں اور معبود ایک ہے) سو ایک وقت خاص (یعنی اسکے مرنے کے وقت) تک اس (کی حالت) کا اور انتظار کر لو (آخر ایک وقت پر پہنچکر ختم ہو جاویگا اور سب پاپ کٹ جاویگا) نوح علیہ السلام نے (اُن کے ایمان لانے سے مایوس ہو کر جناب باری تعالیٰ میں) عرض کیا کہ اے میرے رب (اُن سے) میرا بدلہ لے بوجہ اسکے کہ انھوں نے مجھ کو جھٹلایا ہے پس ہم نے (اُن کی دُعا قبول کی اور) اُن کے پاس حکم بھیجا کہ تم کشتی تیار کرلو ہماری نگرانی میں اور ہمارے حکم سے (کہ اب طوفان آوے گا اور تم اور مؤمنین اسکے ذریعہ سے محفوظ رہوگے) پھر جس وقت ہمارا حکم (عذاب کا قریب) آپہنچے اور (علامت اسکی یہ ہے کہ) زمین سے پانی اُبلنا شروع ہو جاوے تو (اُس وقت) ہر قسم (کے جانوروں) میں سے (جو کہ انسان کے کارآمد ہیں اور پانی میں زندہ نہیں رہ سکتے، جیسا بھیڑ بکری، گائے بیل اونٹ گھوڑا گدھا وغیرہ) ایک ایک نر اور ایک ایک مادہ یعنی دو دو عدد اس (کشتی) میں داخل کر لو اور اپنے گھر والوں کو بھی (سوار کرلو) باستثنا اسکے جس پر اُن میں سے (غرق ہونیکا) حکم نافذ ہو چکا ہے (یعنی آپکے اہل و عیال میں جو کافر ہو اسکو مت سوار کرو) اور (یہ سُن لو کہ عذاب آنے کے وقت) مجھ سے کافروں (کی نجات) کے بارے میں کچھ گفتگو مت کرنا (کیونکہ) وہ سب غرق کئے جاویں گے پھر جس وقت تم اور تمھارے ساتھی (مسلمان) کشتی میں بیٹھ چکو تو یوں کہنا کہ شکر ہے خدا کا جس نے ہم کو کافر لوگوں سے (یعنی اُن کے افعال سے اور اُن کے وبال سے) نجات دی اور (جب بعد فرو ہونے طوفان کے کشتی سے زمین پر آنے لگو تو) یوں کہنا کہ اے میرے رب مجھ کو (زمین پر) برکت کا اُتارنا اُتاریو (یعنی اطمینان ظاہری و باطنی کے ساتھ رکھیو) اور آپ سب (اپنے پاس بطور مہمانی کے) اُتارنے والوں سے اچھے ہیں (یعنی اور لوگ جو مہمان کو اُتار لیتے ہیں وہ اپنے مہمان کی مقصد براری اور مصائب سے نجات پر قدرت نہیں رکھتے آپ کو ان سب چیزوں پر قدرت ہے) اس (واقعہ مذکورہ) میں (اہل عقل کے لئے ہماری قدرت کی) بہت سی نشانیاں ہیں اور ہم (یہ نشانیاں معلوم کرا کر اپنے بندوں کو) آزماتے ہیں (کہ دیکھیں کہ کون ان سے نفع اُٹھاتا ہے کون نہیں اُٹھاتا، اور نشانیاں یہ ہیں۔ رسول بھیجنا، ایمان داروں کو بچالینا، کافروں کو ہلاک کر دینا دفعۃً طوفان پیدا کر دینا، کشتی کو محفوظ رکھنا وغیرہ وغیرہ)۔

معارف و مسائل

وَفَارَ التَّنُّوْرُ، تنور، اُس خاص جگہ کو بھی کہا جاتا ہے جو روٹی پکانے کیلئے بنائی جاتی ہے اور یہی معنے معروف و مشہور ہیں۔ دوسرے معنے میں تنور پوری زمین کے لئے بھی بولا جاتا ہے۔ خلاصۂ تفسیر میں اسی معنے کے اعتبار سے ترجمہ کیا گیا ہے۔ اور بعض حضرات نے اس سے ایک خاص تنور روٹی پکانے والا مُراد لیا ہے جو کوفہ کی مسجد میں اور بعض کے نزدیک ملک شام میں کسی جگہ تھا۔ اس تنور سے پانی اُبلنے لگنا حضرت نوح علیہ السلام کے لئے طوفان کی علامت یہ قرار دی گئی تھی (مظہری)۔ حضرت نوح علیہ السلام اور اُن کے طوفان اور کشتی کا واقعہ پچھلی سورتوں میں تفصیل سے گزر چکا ہے)۔

ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِيْنَ ﴿۳۱﴾ فَاَرْسَلْنَا فِيْهِمْ رَسُوْلًا
پھر پیدا کی ہم نے اُن سے پیچھے ایک جماعت اور پھر بھیجا ہم نے ان میں ایک رسول

مِّنْهُمْ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۭ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۳۲﴾ وَ
اُن میں کا کہ بندگی کرو اللہ کی کوئی نہیں تمہارا حاکم اس کے سوائے پھر کیا تم ڈرتے نہیں اور

قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِلِقَاۗءِ الْاٰخِرَةِ وَ
بولے سردار اُس کی قوم کے جو کافر تھے اور جھٹلاتے تھے آخرت کی ملاقات کو اور

اَتْرَفْنٰهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ يَاْكُلُ مِمَّا
آرام دیا تھا اُن کو ہم نے دُنیا کی زندگی میں اور کچھ نہیں یہ ایک آدمی ہے جیسے تم کھاتا ہے جس قسم سے

تَاْكُلُوْنَ مِنْهُ وَيَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَلَىِٕنْ اَطَعْتُمْ بَشَرًا
تم کھاتے ہو اور پیتا ہے جس قسم سے تم پیتے ہو اور کہیں تم چلنے لگے کہنے پر ایک آدمی کے

مِّثْلَكُمْ اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ﴿۳۴﴾ اَيَعِدُكُمْ اَنَّكُمْ اِذَا مِتُّمْ وَكُنْتُمْ
اپنے برابر کے تو تم بیشک خراب ہوئے کیا تم کو وعدہ دیتا ہے کہ جب تم مرجاؤ اور ہوجاؤ

تُرَابًا وَّعِظَامًا اَنَّكُمْ مُّخْرَجُوْنَ ﴿۳۵﴾ هَيْهَاتَ هَيْهَاتَ لِمَا تُوْعَدُوْنَ ﴿۳۶﴾
مٹی اور ہڈیاں تو تم کو نکلنا ہے، کہاں ہوسکتا ہے کہاں ہوسکتا ہے جو تم سے وعدہ ہوتا ہے

اِنْ هِىَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ ﴿۳۷﴾
اور کچھ نہیں یہی جینا ہے ہمارا دُنیا کا مرتے ہیں اور جیتے ہیں اور ہم کو پھر اُٹھنا نہیں

اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلُ ۨ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا وَّمَا نَحْنُ لَهٗ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۳۸﴾
اور کچھ نہیں یہ ایک مرد ہے باندھ لایا ہے اللہ پر جھوٹ اور اس کو ہم نہیں ماننے والے

قَالَ رَبِّ انْصُرْنِيْ بِمَا كَذَّبُوْنِ ﴿۳۹﴾ قَالَ عَمَّا قَلِيْلٍ لَّيُصْبِحُنَّ
بولا اے رب میری مدد کر کہ انھوں نے مجھ کو جھٹلایا فرمایا اب تھوڑے دنوں میں صبح کو وہ جائیں گے

نٰدِمِيْنَ ﴿۴۰﴾ فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ بِالْحَقِّ فَجَعَلْنٰهُمْ غُثَاۗءً ۚ
پچھتاتے پھر پکڑا اُن کو چنگھاڑ نے تحقیق پھر کر دیا ہم نے اُن کو کوڑا

فَبُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۱﴾
سو دُور ہو جائیں گنہگار لوگ

خلاصۂ تفسیر

پھر (قوم نوح کے بعد) ہم نے دوسرا گروہ پیدا کیا (مُراد عاد ہے یا ثمود) پھر ہم نے اُنہیں ایک پیغمبر کو بھیجا جو اُن ہی میں کے تھے (مراد ہود علیہ السلام یا صالح علیہ السلام ہیں، اُن پیغمبر نے کہا کہ) تم لوگ اللہ ہی کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا اور کوئی معبود (حقیقی) نہیں، کیا تم (شرک سے) ڈرتے نہیں ہو اور (اُن پیغمبر کی بات سُن کر) اُن کی قوم میں سے جو رئیس تھے جنہوں نے (خدا و رسول کے ساتھ) کفر کیا تھا اور آخرت کے آنے کو جھٹلایا تھا اور ہم نے اُن کو دُنیوی زندگانی میں عیش بھی دیا تھا کہنے لگے کہ بس یہ تو تمہاری طرح ایک (معمولی) آدمی ہیں (چنانچہ) یہ وہی کھاتے ہیں جو تم کھاتے ہو اور وہی پیتے ہیں جو تم پیتے ہو اور (جب یہ تمہارے ہی جیسے بشر ہیں تو) اگر تم اپنے جیسے ایک (معمولی) آدمی کے کہنے پر چلنے لگو تو بیشک تم (عقل کے) گھاٹے میں ہو (یعنی بڑی بے وقوفی ہے) کیا یہ شخص تم سے یہ کہتا ہے کہ جب تم مرجاؤ گے اور (مرکر) مٹی اور ہڈیاں ہوجاؤ گے (چنانچہ جب اجزاء لحمیہ خاک ہوجاتے ہیں تو ہڈیاں بے گوشت رہ جاتی ہیں پھر بعد چندے وہ بھی خاک ہوجاتی ہیں تو یہ شخص کہتا ہے کہ جب اس حالت پر پہنچ جاؤ گے) تو پھر دوبارہ زندہ کرکے زمین سے نکالے جاؤ گے (تو بھلا ایسا شخص کہیں قابل اطاعت و اتباع ہوسکتا ہے اور) بہت ہی بعید اور بہت ہی بعید ہے جو بات تم سے کہی جاتی ہے بس زندگی تو یہی ہماری دُنیوی زندگی ہے کہ ہم میں کوئی مرتا ہے اور کوئی پیدا ہوتا ہے اور ہم دوبارہ زندہ ہوکر نہ اُٹھائے جاویں گے بس یہ ایک ایسا شخص ہے جو اللہ پر جھوٹ باندھتا ہے (کہ اس نے مجھ کو رسول بناکر بھیجا ہے اور کوئی دوسرا معبود نہیں اور قیامت آوے گی) اور ہم تو ہرگز اس کو سچا نہ سمجھیں گے۔ پیغمبر نے دُعا کی کہ اے میرے رب میرا بدلہ لے اس وجہ سے کہ انھوں نے مجھ کو جھٹلایا، ارشاد ہوا کہ یہ لوگ عنقریب پشیمان ہوں گے چنانچہ ان کو ایک سخت آواز نے (یا سخت عذاب نے) موافق وعدہ برحق کے (کہ لَيُصْبِحُنَّ نٰدِمِيْنَ) آپکڑا (جس سے وہ سب ہلاک ہوگئے) پھر (ہلاک کرنے کے بعد) ہم نے ان کو خس و خاشاک (کی طرح پامال) کر دیا سو خدا کی مار کافر لوگوں پر۔

معارف و مسائل

اس سے پہلی آیات میں حضرت نوح علیہ السلام کا قصہ بسلسلہ ہدایت ذکر کیا گیا تھا، آگے دوسرے پیغمبروں اور اُن کی اُمتوں کا کچھ حال اجمالاً بغیر نام متعین کئے ذکر کیا گیا ہے۔ آثار وعلامات سے حضرات مفسرین نے فرمایا کہ مُراد اُن اُمتوں سے عاد یا ثمود یا دونوں ہیں۔ عاد کی طرف حضرت ہود علیہ السلام کو بھیجا گیا تھا اور ثمود کے پیغمبر حضرت صالح علیہ السلام تھے۔ اس قصہ میں ان قوموں کا ہلاک ہونا ایک صَیحہ یعنی غیبی سخت آواز کے ذریعہ بیان فرمایا ہے اور صیحہ کے ذریعہ ہلاک ہونا دوسری آیات میں قوم ثمود کا بیان ہوا ہے اس سے بعض حضرات نے فرمایا کہ ان آیات میں قَرْنًا اٰخَرِيْنَ سے مُراد ثمود ہیں مگر یہ بھی ہوسکتا ہے کہ صَیحہ کا لفظ اس جگہ مطلق عذاب کے معنے میں لیا گیا ہو تو پھر یہ قوم عاد کے ساتھ بھی لگ سکتا ہے۔ واللہ اعلم

اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ (اس دُنیا کی زندگی کے سوا اور کوئی زندگی نہیں۔ پس مرنا جینا اسی دُنیا کا ہے اور پھر دوبارہ زندہ ہونا نہیں) یہی قول عام کفار کا ہے جو قیامت کے منکر ہیں۔ یہ انکار جو زبان سے کرتے ہیں وہ تو کھلے کافر ہی ہیں، لیکن افسوس اور بہت فکر کی چیز یہ ہے کہ اب بہت سے مسلمانوں میں بھی عملی طور پر یہ انکار اُن کے ہر قول و فعل سے مترشح ہوتا ہے کہ آخرت اور قیامت کے حساب کی طرف کبھی دھیان بھی نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو اس مصیبت سے نجات عطا فرماویں۔

ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قُرُوْنًا اٰخَرِيْنَ ﴿۴۲﴾ مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ
پھر پیدا کیں ہم نے ان سے پیچھے جماعتیں اور نہ آگے جائے کوئی قوم
اَجَلَهَا وَمَا يَسْتَاْخِرُوْنَ ﴿۴۳﴾ ثُمَّ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا تَتْرَا ؕ كُلَّمَا
اپنے وعدہ سے اور نہ پیچھے رہے پھر بھیجتے رہے ہم اپنے رسول لگاتار جہاں پہنچا
جَآءَ اُمَّةً رَّسُوْلُهَا كَذَّبُوْهُ فَاَتْبَعْنَا بَعْضَهُمْ بَعْضًا وَّجَعَلْنٰهُمْ
کسی اُمّت کے پاس اُن کا رسول اسکو جھٹلا دیا، پھر چلاتے گئے ہم ایک کے پیچھے دوسرے اور کر ڈالا اُن کو
اَحَادِيْثَ ۚ فَبُعْدًا لِّقَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۴۴﴾ ثُمَّ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى
کہانیاں سو دُور ہو جائیں جو لوگ نہیں مانتے پھر بھیجا ہم نے موسیٰ
وَاَخَاهُ هٰرُوْنَ ۙ بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۴۵﴾ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۠ئِهٖ
اور اُسکے بھائی ہارون کو اپنی نشانیاں دے کر اور کھُلی سند فرعون اور اسکے سرداروں کے پاس

فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا عَالِيْنَ ﴿۴۶﴾ فَقَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ
پھر لگے بڑائی کرنے اور وہ لوگ زور پر چڑھ رہے تھے سو بولے کیا ہم مانیں گے اپنی برابر کے دو
مِثْلِنَا وَقَوْمُهُمَا لَنَا عٰبِدُوْنَ ﴿۴۷﴾ فَكَذَّبُوْهُمَا فَكَانُوْا مِنَ
آدمیوں کو اور اُن کی قوم ہماری تابعدار ہیں پھر جھٹلایا ان دونوں کو پھر ہوگئے
الْمُهْلَكِيْنَ ﴿۴۸﴾ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ﴿۴۹﴾
غارت ہونے والوں میں اور ہم نے دی موسیٰ کو کتاب تاکہ وہ راہ پائیں
وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗٓ اٰيَةً وَّاٰوَيْنٰهُمَآ اِلٰى رَبْوَةٍ
اور بنایا ہم نے مریم کے بیٹے اور اسکی ماں کو ایک نشانی اور ان کو ٹھکانا دیا ایک ٹیلہ پر
ذَاتِ قَرَارٍ وَّمَعِيْنٍ ﴿۵۰﴾
جہاں ٹھہرنے کا موقع تھا اور پانی نتھرا

خلاصۂ تفسیر

پھر ان (عاد یا ثمود) کے (ہلاک ہونے کے) بعد ہم نے اور اُمتوں کو پیدا کیا (جو کہ تکذیب رسول کے سبب وہ بھی ہلاک ہوئے اور اُن کے ہلاک ہونے کی جو مدت علم الٰہی میں مقرر تھی) کوئی اُمت (ان اُمتوں میں سے) اپنی (اُس) مدتِ معینہ سے (ہلاک ہونے میں) نہ پیش دستی کرسکتی تھی اور نہ (اس مدت سے) وہ لوگ پیچھے ہٹ سکتے تھے (بلکہ عین وقت پر ہلاک کئے گئے غرض وہ اُمتیں اوّل پیدا کی گئیں) پھر (اُن کے پاس) ہم نے اپنے پیغمبروں کو یکے بعد دیگرے (ہدایت کے لئے) بھیجا (جس طرح وہ اُمتیں یکے بعد دیگرے پیدا ہوئیں مگر اُن کی حالت یہ ہوئی کہ) جب کبھی کسی اُمت کے پاس اس اُمت کا (خاص) رسول (خدا کے احکام لیکر) آیا انھوں نے اسکو جھٹلایا سو ہم نے (بھی ہلاک کرنے میں) ایک کے بعد ایک کا تار باندھ دیا اور ہم نے اُن کی کہانیاں بنا دیں (یعنی وہ ایسے نیست و نابود ہوئے کہ بجز کہانیوں کے ان کا کچھ نام و نشان نہ رہا) سو خدا کی مار ان لوگوں پر جو (انبیاء کے سمجھانے پر بھی) ایمان نہ لاتے تھے۔ پھر ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) اور اُن کے بھائی ہارون (علیہ السلام) کو اپنے احکام اور کھلی دلیل (یعنی معجزہ صریحہ کہ دلیل نبوت ہے) دیکر فرعون اور اسکے درباریوں کے پاس (بھی پیغمبر بنا کر) بھیجا (اور بنی اسرائیل کی طرف مبعوث ہونا بھی معلوم ہے) سو اُن لوگوں نے (اُن کی تصدیق و اطاعت سے) تکبر کیا اور وہ لوگ تھے ہی متکبر (یعنی پہلے ہی سے ان کا دماغ سڑا ہوا تھا) چنانچہ وہ (باہم) کہنے لگے کہ کیا ہم ایسے دو شخصوں پر جو ہماری طرح کے آدمی ہیں (انہیں کوئی بات امتیاز کی نہیں) ایمان لے آویں (اور اُن کے

فرمانبردار بن جاویں) حالانکہ ان کی قوم کے لوگ (تو خود) ہمارے زیر حکم ہیں (یعنی ہم کو تو خود انکی قوم پر ریاست حاصل ہے پھر ان دونوں کے اقتدار اور ریاست کو ہم کیسے تسلیم کرسکتے ہیں، ان لوگوں نے ریاستِ دینیہ کو ریاستِ دُنیویہ پر قیاس کیا کہ ہم کو ایک قسم کی ریاست یعنی دُنیوی حاصل ہے تو دوسری قسم کے بھی ہم ہی مستحق ہیں اور جب ان کو دُنیوی ریاست نہیں ملی تو دینی کیسے مل سکتی ہے اور فساد اس قیاس کا ظاہر ہے) غرض وہ لوگ ان دونوں کی تکذیب ہی کرتے رہے پس (اس تکذیب کی وجہ سے) ہلاک کئے گئے اور (ان کے ہلاک ہونے کے بعد) ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو کتاب (یعنی توراۃ) عطا فرمائی تاکہ (اس کے ذریعہ سے) وہ لوگ (یعنی موسیٰ علیہ السلام کی قوم بنی اسرائیل) ہدایت پائیں اور ہم نے (اپنی قدرت و توحید پر دلالت کے لئے اور نیز بنی اسرائیل کی ہدایت کے لئے) مریم کے بیٹے (عیسیٰ علیہ السلام) کو اور ان کی ماں (حضرت مریم علیہا السلام) کو بڑی نشانی (اپنی قدرت کی اور ان کے صدق کی) بنایا (کہ بے باپ تولد ہونا دونوں کے متعلق آیتِ عظیمہ ہے) اور (چونکہ ان کو نبی بنانا منظور تھا اور ایک ظالم بادشاہ بچپن ہی میں ان کے درپے قتل ہو گیا تھا اسلئے) ہم نے (اس سے بچاکر) ان دونوں کو ایک ایسی بلند زمین پر لیجاکر پناہ دی جو (بوجہ غلات اور میوہ جات پیدا ہونیکے) ٹھہرنے کے قابل اور (بوجہ نہر جاری ہونے کے) شاداب جگہ تھی (یہاں تک کہ امن وامان سے جوان ہوئے اور نبوت عطا ہوئی تو توحید و دعویٰ رسالت میں ان کی تصدیق ضروری تھی مگر بعض نے نہ کی)۔

يٰٓاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ۭ اِنِّىْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ

اے رسولو کھاؤ ستھری چیزیں اور کام کرو بھلا جو تم کرتے ہو میں جانتا

عَلِيْمٌ ﴿۵۱﴾ وَاِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ ﴿۵۲﴾

ہوں اور یہ لوگ ہیں تمہارے دین کے سب ایک دین پر اور میں ہوں تمہارا رب سو مجھ سے ڈرتے رہو

فَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ زُبُرًا ۭ كُلُّ حِزْبٍۢ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ﴿۵۳﴾

پھر پھوٹ ڈال کر کر لیا اپنا کام آپس میں ٹکڑے ٹکڑے ہر فرقہ جو ان کے پاس ہے اس پر ریجھ رہے ہیں

فَذَرْهُمْ فِيْ غَمْرَتِهِمْ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿۵۴﴾ اَيَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ

سو چھوڑ دے ان کو ان کی بیہوشی میں ڈوبے ایک وقت تک کیا وہ خیال کرتے ہیں کہ یہ جو ہم ان کو دیئے جاتے

مِنْ مَّالٍ وَّبَنِيْنَ ﴿۵۵﴾ نُسَارِعُ لَهُمْ فِي الْخَيْرٰتِ ۭ بَلْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ﴿۵۶﴾

ہیں مال اور اولاد سو دوڑ دوڑ کر پہنچا رہے ہیں ہم ان کو بھلائیاں یہ بات نہیں وہ سمجھتے نہیں

خلاصۂ تفسیر

ہم نے جس طرح تم کو اپنی نعمتوں کے استعمال کی اجازت دی اور عبادت کا حکم دیا اسی طرح سب پیغمبروں کو اور ان کے واسطے سے ان کی اُمتوں کو بھی حکم دیا کہ) اے پیغمبرو! تم (اور تمہاری اُمتیں) نفیس چیزیں کھاؤ (کہ خدا کی نعمت ہیں) اور (کھاکر شکر ادا کرو کہ) نیک کام کرو (یعنی عبادت اور) میں تم سب کے کئے ہوئے کاموں کو خوب جانتا ہوں (تو عبادت اور نیک کاموں پر ان کی جزا اور ثمرات عطا کروں گا) اور (ہم نے ان سے یہ بھی کہا کہ جو طریقہ تمہیں ابھی بتایا گیا ہے) یہ ہے تمہارا طریقہ (جس پر تم کو چلنا اور رہنا واجب ہے) کہ وہ ایک ہی طریقہ ہے (سب انبیاء اور ان کی اُمتوں کا کسی شریعت میں یہ طریقہ نہیں بدلا) اور (حاصل اس طریقہ کا یہ ہے کہ) میں تمہارا رب ہوں تم مجھ سے ڈرتے رہو (یعنی میرے احکام کی مخالفت نہ کرو کیونکہ رب ہونے کی حیثیت سے تمہارا خالق و مالک بھی ہوں اور منعم ہونے کی حیثیت سے تم کو بیشمار نعمتیں بھی دیتا ہوں، ان سب چیزوں کا تقاضا اطاعت و فرمانبرداری ہے) سو (اسکا نتیجہ تو یہ ہونا تھا کہ سب ایک ہی طریقۂ مذکورہ پر رہتے مگر ایسا نہ کیا بلکہ) اُن لوگوں نے اپنے دین اپنا طریق الگ الگ کر کے اختلاف پیدا کرلیا ہر گروہ کے پاس جو دین (یعنی اپنا بنایا ہوا طریقہ) ہے وہ اسی پر مگن اور خوش ہے (اس کے باطل ہونے کے باوجود اُسی کو حق سمجھتا ہے) تو آپ ان کو انکی جہالت میں ایک خاص وقت تک رہنے دیجئے (یعنی اُن کی جہالت پر آپ غم نہ کیجئے جب مقرر وقت انکی موت کا آجاویگا تو سب حقیقت کھل جاوے گی اور اب جو فوری طور پر ان پر عذاب نہیں آتا تو) کیا (اس سے) یہ لوگ یوں گمان کر رہے ہیں کہ ہم ان کو جو کچھ مال و اولاد دیتے ہیں تو ہم ان کو جلدی جلدی فائدے پہنچا رہے ہیں (یہ بات ہرگز نہیں) بلکہ یہ لوگ (اس ڈھیل دینے کی وجہ) نہیں جانتے (یعنی یہ ڈھیل تو ان کو بطور استدراج کے دی جا رہی ہے جو انجام کار ان کے لئے اور زیادہ عذاب کا سبب بنے گی کیونکہ ہماری مہلت اور ڈھیل دینے سے یہ اور مغرور ہو کر سرکشی اور گناہوں میں زیادتی کریں گے اور عذاب زیادہ ہوگا)۔

معارف ومسائل

يٰٓاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا، لفظ طیبات کے لغوی معنی ہیں پاکیزہ نفیس چیزیں۔ اور چونکہ شریعتِ اسلام میں جو چیزیں حرام کر دی گئی ہیں نہ وہ پاکیزہ ہیں نہ اہلِ عقل کے لئے نفیس و مرغوب۔ اس لئے طیبات سے مُراد صرف حلال چیزیں ہیں جو ظاہری اور باطنی ہر اعتبار سے پاکیزہ و نفیس ہیں۔ اس آیت میں یہ بتلایا گیا ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام کو اپنے

اپنے وقت میں دو ہدایات دی گئی ہیں ایک یہ کہ کھانا حلال اور پاکیزہ کھاؤ، دوسرے یہ کہ عمل نیک صالح کرو۔ اور جب انبیاء علیہم السلام کو یہ خطاب کیا گیا ہے جن کو اللہ نے معصوم بنایا ہے تو اُن کی اُمت کے لوگوں کے لئے یہ حکم زیادہ قابلِ اہتمام ہے اور اصل مقصود بھی اُمتوں ہی کو اس حکم پر چلانا ہے۔

علماء نے فرمایا کہ ان دونوں حکموں کو ایک ساتھ لانے میں اس طرف اشارہ ہے کہ حلال غذا کا عمل صالح میں بڑا دخل ہے جب غذا حلال ہوتی ہے تو نیک اعمال کی توفیق خود بخود ہونے لگتی ہے اور غذا حرام ہو تو نیک کام کا ارادہ کرنے کے باوجود بھی اسمیں مشکلات حائل ہو جاتی ہیں۔ حدیث میں ہے کہ بعض لوگ لمبے لمبے سفر کرتے ہیں اور غبار آلود رہتے ہیں پھر اللہ کے سامنے دُعا کے لئے ہاتھ پھیلاتے ہیں اور یا رب یا رب پکارتے ہیں مگر اُن کا کھانا بھی حرام ہوتا ہے پینا بھی، لباس بھی حرام سے تیار ہوتا ہے اور حرام ہی کی اُن کو غذا ملتی ہے ایسے لوگوں کی دُعا کہاں قبول ہو سکتی ہے۔ (قرطبی)

اس سے معلوم ہوا کہ عبادت اور دُعا کے قبول ہونے میں حلال کھانے کو بڑا دخل ہے جب غذا حلال نہ ہو تو عبادت اور دُعا کی مقبولیت کا بھی استحقاق نہیں رہتا۔

وَاِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً، لفظ اُمّت، ایک جماعت اور کسی خاص پیغمبر کی قوم کے معنی میں معروف و مشہور ہے اور کبھی یہ لفظ طریقہ اور دین کے معنی میں بھی آتا ہے جیسے قرآن کی ایک آیت وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓی اُمَّةٍ، اسمیں اُمت سے مُراد ایک دین اور طریقہ ہے۔ یہی معنے اس جگہ بھی مُراد ہیں

فَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ زُبُرًا، زُبُر، زبور کی جمع ہے جو کتاب کے معنے میں آتا ہے اس معنے کے اعتبار سے مراد آیت کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تو سب انبیاء اور اُن کی اُمتوں کو اُصول اور عقائد کے مسائل میں ایک ہی دین اور طریقہ پر چلنے کی ہدایت فرمائی تھی مگر اُمتوں نے اسکو نہ مانا اور آپس میں ٹکڑے مختلف ہو گئے ہر ایک نے اپنا اپنا طریقہ الگ اور اپنی کتاب الگ بنالی۔ اور زُبُر کبھی زُبرہ کی جمع بھی آتی ہے جس کے معنے قطعہ اور فرقہ کے ہیں۔ یہی معنے اس جگہ زیادہ واضح ہیں اور مُراد آیت کی یہ ہے کہ یہ لوگ عقائد اور اُصول میں بھی مختلف فرقے بن گئے لیکن فروعی اختلاف ائمہ مجتہدین کا اسمیں داخل نہیں کیونکہ ان اختلافات سے دین و ملت الگ نہیں ہو جاتا اور ایسا اختلاف رکھنے والے الگ الگ فرقے نہیں کہلاتے۔ اور اس اجتہادی اور فروعی اختلاف کو فرقہ داریت کا رنگ دینا خالص جہالت ہے جو کسی مجتہد کے نزدیک جائز نہیں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ هُمْ مِّنْ خَشْيَةِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ ۝۵۷ وَالَّذِيْنَ هُمْ
بے شک جو لوگ اپنے رب کے خوف سے اندیشہ رکھتے ہیں اور جو لوگ اپنے رب

بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُوْنَ ۝۵۸ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِرَبِّهِمْ لَا يُشْرِكُوْنَ ۝۵۹
کی باتوں پر یقین کرتے ہیں اور جو لوگ اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں مانتے

وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ
اور جو لوگ کہ دیتے ہیں جو کچھ دیتے ہیں اور اُن کے دل ڈر رہے ہیں اسلئے کہ اُن کو اپنے رب کی طرف

رٰجِعُوْنَ ۝۶۰ اُولٰٓئِكَ يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَهُمْ لَهَا سٰبِقُوْنَ ۝۶۱
لوٹ کر جانا ہے وہ لوگ دوڑ دوڑ کر لیتے ہیں بھلائیاں اور وہ ان پر پہنچے سب سے آگے

وَلَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا وَلَدَيْنَا كِتٰبٌ يَّنْطِقُ
اور ہم کسی پر بوجھ نہیں ڈالتے مگر اس کی گنجائش کے موافق اور ہمارے پاس لکھا ہوا ہے جو بولتا ہے

بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝۶۲
سچ اور ان پر ظلم نہ ہوگا

خلاصۂ تفسیر

اس میں کوئی شک نہیں کہ جو لوگ اپنے رب کی ہیبت سے ڈرتے رہتے ہیں اور جو لوگ اپنے رب کی آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں اور جو لوگ اپنے رب کے ساتھ شرک نہیں کرتے اور جو لوگ (اللہ کی راہ میں) دیتے ہیں جو کچھ دیتے ہیں اور (باوجود اللہ کی راہ میں دینے اور خرچ کرنے کے) ان کے دل اس سے خوفزدہ رہتے ہیں کہ وہ اپنے رب کے پاس جانے والے ہیں (دیکھئے وہاں جاکر ان صدقات کا کیا ثمرہ ظاہر ہو، کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ دینا حکم کے موافق نہ ہو مثلاً مال حلال نہ ہو یا نیت اللہ کے لئے خالص نہ ہو اور نیت میں اخلاص کامل نہ ہونا یا مال کا حرام ہونا ہمیں معلوم نہ ہو تو اُلٹا اس پر مواخذہ ہونے لگے تو جن لوگوں میں یہ صفات ہوں) یہ لوگ اپنے فائدے جلدی جلدی حاصل کر رہے ہیں اور وہ اُن کی طرف دوڑ رہے ہیں اور (یہ اعمال مذکورہ کچھ سخت بھی نہیں جنکا کرنا مشکل ہو کیونکہ) ہم کسی کو اُس کی وسعت سے زیادہ کام کرنے کو نہیں کہتے (اس لئے یہ سب کام آسان ہیں اور اس کے ساتھ اُن کا اچھا انجام اور ثمرہ یقینی ہے کیونکہ) ہمارے پاس ایک دفتر (نامۂ اعمال کا محفوظ) ہے جو ٹھیک ٹھیک (سب کا حال) بتلا دے گا اور لوگوں پر ذرا ظلم نہ ہوگا۔

معارف و مسائل

وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ، لفظ يُؤْتُوْنَ، ایتاء سے مشتق ہے جس کے معنے دینے اور خرچ کرنے کے ہیں اس لئے اس کی تفسیر صدقات کے ساتھ کی گئی ہے اور حضرت صدیقہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایک قراءت اسکی یأتون ما اتوا بھی منقول ہے یعنی عمل کرتے ہیں جو کچھ کرتے ہیں

اس میں صدقات نماز روزہ اور تمام نیک کام شامل ہوجاتے ہیں اور مشہور قرات پر اگرچہ ذکر یہاں صدقات ہی کا ہوگا مگر مراد بہر حال عام اعمال صالحہ ہیں جیسا کہ ایک حدیث سے ثابت ہے۔ حضرت عائشہ رضہ فرماتی ہیں کہ میں نے اس آیت کا مطلب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ یہ کام کرکے ڈرنے والے لوگ وہ ہیں جو شراب پیتے یا چوری کرتے ہیں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اے صدیق کی بیٹی یہ بات نہیں بلکہ یہ وہ لوگ ہیں جو روزے رکھتے اور نمازیں پڑھتے ہیں اور صدقات دیتے ہیں اس کے باوجود اس سے ڈرتے رہتے ہیں کہ شاید ہمارے یہ عمل اللہ کے نزدیک (ہماری کسی کوتاہی کے سبب) قبول نہ ہوں ایسے ہی لوگ نیک کاموں میں مسارعت اور مسابقت کیا کرتے ہیں (رواہ احمد والترمذی وابن ماجہ۔ مظہری) اور حضرت حسن بصری رہ فرماتے ہیں کہ ہم نے ایسے لوگ دیکھے ہیں جو نیک عمل کرکے اتنے ڈرتے تھے کہ تم برے عمل کرکے بھی اتنا نہیں ڈرتے (قرطبی)

أُولَٰئِكَ يُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ وَهُمْ لَهَا سَابِقُونَ، مسارعت فی الخیرات سے مراد یہ ہے کہ جیسے عام لوگ دُنیا کے منافع کے پیچھے دوڑتے اور دوسروں سے آگے بڑھنے کی فکر میں رہتے ہیں یہ حضرات دین کے فوائد میں ایسا ہی عمل کرتے ہیں! اسی لئے وہ دین کے کاموں میں دوسروں سے آگے رہتے ہیں۔

بَلْ قُلُوبُهُمْ فِي غَمْرَةٍ مِّنْ هَٰذَا وَلَهُمْ أَعْمَالٌ مِّن دُونِ ذَٰلِكَ هُمْ
کوئی نہیں اُن کے دل بیہوش ہیں اس طرف سے اور اُن کو اور کام لگ رہے ہیں اسکے سوائے کہ وہ اُن کو

لَهَا عَامِلُونَ ۝۶۳ حَتَّىٰ إِذَا أَخَذْنَا مُتْرَفِيهِم بِالْعَذَابِ إِذَا هُمْ
کر رہے ہیں یہانتک کہ جب پکڑیں گے ہم اُن کے آسودہ لوگوں کو آفت میں تبھی وہ لگیں گے

يَجْأَرُونَ ۝۶۴ لَا تَجْأَرُوا الْيَوْمَ ۖ إِنَّكُم مِّنَّا لَا تُنصَرُونَ ۝۶۵ قَدْ
چلانے مت چلاؤ آج کے دن تم ہم سے چھوٹ نہ سکو گے تم کو

كَانَتْ آيَاتِي تُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ فَكُنتُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ تَنكِصُونَ ۝۶۶
سُنائی جاتی تھیں میری آیتیں تو تم ایڑیوں پر اُلٹے بھاگتے تھے

مُسْتَكْبِرِينَ بِهِ سَامِرًا تَهْجُرُونَ ۝۶۷ أَفَلَمْ يَدَّبَّرُوا الْقَوْلَ أَمْ
اس سے تکبر کرکے ایک قصہ گو کو چھوڑ کر چلے گئے سو کیا انھوں نے دھیان نہیں کیا اس کلام میں یا

جَاءَهُم مَّا لَمْ يَأْتِ آبَاءَهُمُ الْأَوَّلِينَ ۝۶۸ أَمْ لَمْ يَعْرِفُوا رَسُولَهُمْ
آئی ہے اُن کے پاس ایسی چیز جو نہ آئی تھی اُنکے پہلے باپ دادوں کے پاس یا پہچانا نہیں انھوں نے اپنے پیغام لانے والے کو

فَهُمْ لَهُ مُنكِرُونَ ۝۶۹ أَمْ يَقُولُونَ بِهِ جِنَّةٌ ۚ بَلْ جَاءَهُم بِالْحَقِّ
سو وہ اسکو اوپرا سمجھتے ہیں یا کہتے ہیں اس کو سودا ہے، کوئی نہیں وہ تو لایا ہے اُنکے پاس سچی بات

وَأَكْثَرُهُمْ لِلْحَقِّ كَارِهُونَ ۝۷۰ وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ أَهْوَاءَهُمْ لَفَسَدَتِ
اور انہیں بہتوں کو سچی بات بُری لگتی ہے اور اگر سچا رب چلے اُن کی خوشی پر تو خراب ہو جائیں

السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ وَمَن فِيهِنَّ ۚ بَلْ أَتَيْنَاهُم بِذِكْرِهِمْ فَهُمْ
آسمان اور زمین اور جو کوئی اُن میں ہے کوئی نہیں ہم نے پہنچائی ہے اُن کو اُن کی نصیحت

عَن ذِكْرِهِم مُّعْرِضُونَ ۝۷۱ أَمْ تَسْأَلُهُمْ خَرْجًا فَخَرَاجُ رَبِّكَ خَيْرٌ ۖ
سو وہ اپنی نصیحت کو دھیان نہیں کرتے یا تو اُن سے مانگتا ہے کچھ محصول سو محصول تیرے رب کا بہتر ہے

وَهُوَ خَيْرُ الرَّازِقِينَ ۝۷۲ وَإِنَّكَ لَتَدْعُوهُمْ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ۝۷۳
اور وہ ہے بہتر روزی دینے والا اور تو تو بلاتا ہے اُن کو سیدھی راہ پر

وَإِنَّ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ عَنِ الصِّرَاطِ لَنَاكِبُونَ ۝۷۴
اور جو لوگ نہیں مانتے آخرت کو راہ سے ٹیڑھے ہوگئے ہیں

وَلَوْ رَحِمْنَاهُمْ وَكَشَفْنَا مَا بِهِم مِّن ضُرٍّ لَّلَجُّوا فِي طُغْيَانِهِمْ
اور اگر ہم اُن پر رحم کریں اور کھول دیں جو تکلیف پہنچی اُن کو تو بھی برابر لگے رہیں گے اپنی شرارت میں

يَعْمَهُونَ ۝۷۵ وَلَقَدْ أَخَذْنَاهُم بِالْعَذَابِ فَمَا اسْتَكَانُوا لِرَبِّهِمْ
بہکے ہوئے اور ہم نے پکڑا تھا اُن کو آفت میں پھر عاجزی کی اپنے رب کے آگے

وَمَا يَتَضَرَّعُونَ ۝۷۶ حَتَّىٰ إِذَا فَتَحْنَا عَلَيْهِم بَابًا ذَا عَذَابٍ
اور نہ گڑگڑائے یہانتک کہ جب کھولدیں ہم اُن پر دروازہ ایک سخت

شَدِيدٍ إِذَا هُمْ فِيهِ مُبْلِسُونَ ۝۷۷ ع ۴
آفت کا تب اُس میں اُن کی آس ٹوٹے گی

خلاصۂ تفسیر

(یہ تو اوپر مومنین کی حالت تھی مگر کفار ایسے نہیں ہیں) بلکہ (برعکس) ان کفار کے قلوب اس دین کیطرف سے (جسکا ذکر بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ میں ہے) جہالت (اور شک) میں ڈوبے ہوئے ہیں (جسکا حال اوپر بھی معلوم ہو چکا فَذَرْهُمْ فِي غَمْرَتِهِمْ) اور اس (جہالت و انکار) کے علاوہ ان لوگوں کے اور بھی (بُرے بُرے خبیث) عمل ہیں جن کو (یہ مسلسل) کرتے رہتے ہیں (یہ لوگ شرک اور اعمال سیئہ کے برابر خوگر رہیں گے) یہانتک کہ جب ہم اُن کے خوشحال لوگوں کو (جن کے پاس مال و دولت اور نوکر چاکر سب کچھ ہے) عذاب (بعد الموت) میں دھر پکڑیں گے (اور غریب غربا، تو کس گنتی میں ہیں اور وہ تو عذاب کے کیا بچاؤ کر سکتے ہیں، غرض یہ کہ جب ان سب پر عذاب نازل ہوگا) تو فوراً چلا اُٹھیں گے (اور سارا انکار و استکبار

جس کے اب عادی ہیں کافور ہوجاویگا اسوقت اُن سے کہا جاوے گا کہ) اب مت چلاؤ (کہ کوئی فائدہ نہیں کیونکہ) ہماری طرف سے تمہاری مُطلق مدد نہ ہوگی (کیونکہ یہ دارالجزاء ہے دارالعمل نہیں ہے جس میں چلانا اور عاجزی کرنا مفید ہو جو دارالعمل تھا اس میں تو تمہارا یہ حال تھا کہ) میری آیتیں تم کو پڑھ پڑھ کر (رسُول کی زبان سے) سُنائی جایا کرتی تھیں تو تم اُلٹے پاؤں بھاگتے تھے تکبّر کرتے ہوئے قرآن کا مشغلہ بناتے ہوئے (اس قرآن کی شان) میں بیہودہ بکتے ہوئے (کہ کوئی اس کو سحر کہتا تھا کوئی شعر کہتا تھا اور مشغلہ کا یہی مطلب ہے پس تم نے دارالعمل میں جیسا کیا آج دارالجزاء میں ویسا بُھگتو اور یہ لوگ جو قرآن کی اور صاحب قرآن کی تکذیب کررہے ہیں تو اسکا کیا سبب ہے) کیا ان لوگوں نے اس کلام (الٰہی) میں غور نہیں کیا (جس سے اسکا اعجاز ظاہر ہوجاتا اور یہ ایمان لے آتے) یا (تکذیب کی یہ وجہ ہے کہ) ان کے پاس کوئی ایسی چیز آئی ہے جو ان کے پہلے بڑوں کے پاس نہیں آئی تھی (مُراد اس سے احکام الٰہیہ کا آنا ہے جو کوئی نئی بات نہیں، ہمیشہ سے انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ اُن کی اُمتوں کو بھی احکام دیئے جاتے رہے ہیں کقولہ تعالیٰ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ، پس تکذیب کی یہ وجہ بھی باطل ٹھہری اور یہ دو وجہ تو قرآن کے متعلق ہیں۔ آگے صاحب قرآن کے متعلق فرماتے ہیں یعنی) یا (وجہ تکذیب کی یہ ہے کہ) یہ لوگ اپنے رسُول (کی صفتِ دیانت و صدق و امانت) سے واقف نہ تھے اسوجہ سے اُن کے منکر ہیں، (یعنی یہ وجہ بھی باطل ہے کیونکہ آپ کے صدق و دیانت پر سب کا اتفاق تھا) یا (یہ وجہ ہے کہ) یہ لوگ (نعوذ باللہ) آپ کی نسبت جنون کے قائل ہیں (سو آپ کا اعلیٰ درجہ کا صاحب عقل اور صاحب الرائے ہونا بھی ظاہر ہے۔ سو واقع میں ان میں سے کوئی وجہ بھی معقول نہیں) بلکہ (اصلی وجہ یہ ہے کہ) یہ رسُول ان کے پاس حق بات لیکر آئے ہیں اور ان میں اکثر لوگ حق بات سے نفرت رکھتے ہیں۔

(پس یہ تمام تر وجہ ہے تکذیب کی اور عدم اتباع حق کی اور یہ لوگ اس دینِ حق کا اتباع تو کیا کرتے یہ تو اور اُلٹا یہ چاہتے ہیں کہ وہ دینِ حق ہی ان کے خیالات کے تابع کردیا جاوے اور جو مضامین قرآن میں ان کے خلاف ہیں اُن کو خارج یا ترمیم کردیا جاوے کقولہ تعالیٰ فی سورۃ یُونس قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَيْرِ هٰذَآ اَوْ بَدِّلْهُ) اور (بفرضِ محال) اگر (ایسا امر واقع ہوجاتا) اور دینِ حق اُن کے خیالات کے تابع (اور موافق) ہوجاتا تو (تمام عالم میں کفر و شرک پھیل جاتا اور اسکا اثر یہ ہوتا کہ حق تعالیٰ کا غضب تمام عالم پر متوجہ ہوجاتا اور اسکا مقتضا یہ تھا کہ) تمام آسمان اور زمین اور جو اُن میں (آباد) ہیں سب تباہ ہوجاتے (جیسا قیامت میں تمام انسانوں میں گمراہی عام ہوجانے کے سبب اللہ تعالیٰ کا غضب بھی سب پر عام ہوگا اور غضب الٰہی عام ہونے سے سب کی ہلاکت بھی عام ہوگی اور اوّل تو کسی امر کا حق ہونا مقتضی ہے اُس کے وجوب قبول کو گو نافع بھی نہ ہو اور اُسکا قبول نہ کرنا خود عیب ہے مگر ان لوگوں میں صرف یہی ایک عیب نہیں کہ حق سے کراہت ہو) بلکہ اس سے بڑھ کر

۲۱

دوسرا عیب اور بھی ہے کہ حق کا اتباع جو انھیں کے نفع کا سامان ہے اُس سے دُور بھاگتے ہیں بس) ہم نے اُن کے پاس اُن کی نصیحت (اور نفع) کی بات بھیجی سو یہ لوگ اپنی نصیحت سے بھی روگردانی کرتے ہیں یا (علاوہ وجوہ مذکورہ کے ان کی تکذیب کی یہ وجہ ہے کہ ان کو یہ شبہ ہوا ہو کہ) آپ ان سے کچھ آمدنی چاہتے ہیں تو (یہ بھی غلط ہے کیونکہ جب آپ جانتے ہیں کہ) آمدنی تو آپکے رب کی سب سے بہتر ہے اور وہ سب دینے والوں سے اچھا ہے (تو آپ لوگوں سے کیوں مانگتے ہیں) اور (خلاصہ ان کی حالت کا یہ ہے کہ) آپ تو ان کو سیدھے رستہ کی طرف (جس کو اُوپر حق کہا ہے) بلا رہے ہیں اور ان لوگوں کی جوکہ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے یہ حالت ہے کہ اس (سیدھے) رستہ سے ہٹے جاتے ہیں (مطلب یہ کہ حق ہونا اور مستقیم ہونا اور نافع ہونا یہ سب مقتضیات ایمان کے جمع ہیں اور جو وجوہات مانع ہوسکتی تھیں وہ کوئی موجود نہیں، پھر ایمان نہ لانا اشد درجہ کی جہالت اور ضلالت ہے) اور (ان کی قساوت و عناد کی یہ حالت ہے کہ جس طرح یہ لوگ آیاتِ شرعیہ سے متاثر نہیں ہوتے اسی طرح آیاتِ قہریہ مصائب و بلیّات سے بھی متاثر نہیں ہوتے گو مصیبت کے وقت طبعی طور پر ہم کو پکارتے بھی ہیں لیکن وہ دفع الوقتی ہوتی ہے چنانچہ) اگر ہم ان پر مہربانی فرمادیں اور ان پر جو تکلیف ہے اُس کو ہم دُور بھی کردیں تو وہ لوگ (پھر) اپنی گمراہی میں بھٹکتے ہوئے اصرار کرتے رہیں (اور وہ قول و قرار جو مصیبت میں کئے تھے سب ختم ہوجاویں کقولہ تعالیٰ اِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا الخ وقولہ تعالیٰ اِذَا رَكِبُوْا فِي الْفُلْكِ الخ) اور (شاہد اسکا یہ ہے کہ بعض اوقات) ہم نے ان کو گرفتارِ عذاب بھی کیا ہے سو ان لوگوں نے نہ اپنے رب کے سامنے (پُورے طور پر) فروتنی کی اور نہ عاجزی اختیار کی (پس جب عین مصیبت میں اور مصیبت بھی ایسی سخت جس کو عذاب کہا جاسکے جیسے قحط جو مکہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بددُعا سے ہوا تھا اُنھوں نے عاجزی اختیار نہیں کی تو بعد زوال مصیبت کے تو بدرجۂ اَولیٰ اُن سے اسکی توقع نہیں مگر ان کی یہ ساری بے پروائی دنیا کی ان مصائب تک ہے جن کے عادی ہوچکے ہیں) یہاں تک کہ ہم جب ان پر سخت عذاب کا دروازہ کھولدیں گے (جو کہ فوق العادۃ ہو خواہ دُنیا ہی میں کہ کوئی غیبی قہر آپڑے یا بعد الموت کہ ضرور ہی واقع ہوگا) تو اسوقت بالکل حیرت زدہ رہ جاویں گے (کہ یہ کیا ہوگیا اور سب نشہ ہرن ہوجاویگا)

معارف و مسائل

غَمْرَۃ: ایسے گہرے پانی کو کہتے ہیں جس میں آدمی ڈوب جائے اور جو اس میں داخل ہونے والے کو اپنے اندر چھپا لے اسی لئے لفظ غمرہ پردہ اور ہر ڈھانپ لینے والی چیز کے لئے بھی بولا جاتا ہے یہاں اُن کی مشرکانہ جہالت کو غمرہ کہا گیا ہے جس میں اُن کے دل ڈوبے ہوئے اور چھپے ہوئے ہیں کہ کسی

طرف سے اُن کو روشنی کی کرن نہیں پہنچی۔

وَلَهُمْ أَعْمَالٌ مِّن دُونِ ذَٰلِكَ، یعنی اُن کی گمراہی کے لئے تو ایک شرک و کفر ہی کا پردۂ غفلت کافی تھا مگر وہ اسی پر بس نہیں کرتے اس کے ساتھ دوسرے اعمالِ خبیثہ بھی مسلسل کرتے ہی رہتے ہیں۔

مُتْرَفِيهِم، مُتْرَف، تَرَف سے مشتق ہے جس کے معنے تنعّم اور خوشحالی کے ہیں۔ اس جگہ اُس قوم کو عذاب میں پکڑنے کا ذکر ہے جس میں امیر غریب خوشحال بدحال سبھی داخل ہونگے مگر مترفین اور خوشحالوں کا ذکر خاص طور پر اسلئے کیا کہ ایسے ہی لوگ دُنیا کے مصائب سے اپنے بچاؤ کا کچھ سامان کرلیا کرتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ کا عذاب جب آتا ہے تو سب سے پہلے یہی لوگ بے بس ہو کر رہ جاتے ہیں۔ اس آیت میں جس عذاب کے اندر اُنکے پکڑے جانے کا ذکر ہے حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ اس سے مُراد وہ عذاب ہے جو غزوۂ بدر میں مسلمانوں کی تلوار سے ان کے سرداروں پر پڑا تھا۔ اور بعض حضرات نے اس عذاب سے مُراد قحط کا عذاب لیا ہے جو رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی بددُعا سے مکہ والوں پر مسلط کر دیا گیا تھا یہاں تک کہ وہ مُردار جانور اور کتّے اور ہڈیاں کھانے پر مجبور ہوگئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار کے لئے بددُعا بہت کم کی ہے لیکن اس موقع میں مسلمانوں پر اُن کے مظالم کی شدت سے مجبور ہو کر یہ بددُعا کی تھی۔ اللّٰھم اشدد وطأتک علیٰ مضر واجعلہا علیہم سنین کسنی یوسف (رواہ البخاری ومسلم)۔ (قرطبی ومظہری)

مُسْتَكْبِرِينَ بِهِ سَامِرًا تَهْجُرُونَ، اس میں لفظ بِهٖ کی ضمیر اکثر مفسرین نے حرم کیطرف راجع قرار دی جو اگرچہ اوپر کہیں مذکور نہیں مگر حرم سے قریش مکہ کا گہرا تعلق اور اس پر اُن کا ناز اتنا معروف و مشہور تھا کہ ذکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ اور معنے اس کے یہ ہیں کہ قریش مکہ کا اللہ کی آیتیں سُن کر پچھلے پاؤں بھاگنے اور نہ ماننے کا سبب حرم مکہ کی نسبت اور اُس کی خدمت پر ان کا تکبر اور ناز تھا۔ اور سَامِرًا سمر سے مشتق ہے جس کے اصل معنے چاندنی رات کے ہیں۔ عرب کی عادت تھی کہ چاندنی رات میں بیٹھ کر قصے کہانیاں کہا کرتے تھے اس لئے لفظ سمر قصہ کہانی کے معنے میں استعمال ہونے لگا اور سامر قصہ گو کو کہا جاتا ہے یہ لفظ اگرچہ مفرد ہے مگر معنی میں جمع کے لئے بھی بولا جاتا ہے اس جگہ سامر بمعنے سامرین جمع کے لئے استعمال ہوا ہے۔ مشرکین کا ایک حال جو آیاتِ الٰہیہ سے انکار کا سبب بنا ہوا تھا حرم مکہ کی نسبت و خدمت پر ان کا ناز تھا۔ دوسرا حال یہ بیان فرمایا کہ یہ لوگ بے اصل اور بے بنیاد قصے کہانیوں میں مشغول رہنے کے عادی ہیں ان کو اللہ کی آیات سے دلچسپی نہیں۔

تَهْجُرُونَ، یہ لفظ ہُجر بضم الہاء سے مشتق ہے جس کے معنے فضول بکواس اور گالی گلوچ کے ہیں یہ تیسرا حال ان مشرکین کا بیان کیا گیا کہ یہ لوگ فضول بکواس اور گالی گلوچ کے عادی ہیں۔ رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی شان میں بعض ایسے ہی گستاخانہ کلمات کہتے رہتے ہیں۔

عشاء کے بعد قصہ گوئی کی ممانعت اور خاص ہدایات

رات کو افسانہ گوئی کا مشغلہ عرب و عجم میں قدیم سے چلا آتا ہے اور اس میں بہت سے مفاسد اور وقت کی اضاعت تھی۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے اس رسم کو مٹانے کے لئے عشاء سے پہلے سونے کو اور عشاء کے بعد فضول قصہ گوئی کو منع فرمایا۔ حکمت یہ تھی کہ عشاء کی نماز پر انسان کے اعمال یومیہ ختم ہو رہے ہیں جو دن بھر کے گناہوں کا بھی کفارہ ہو سکتا ہے۔ یہی اُس کا آخری عمل اس دن کا ہو تو بہتر ہے اگر بعد عشاء فضول قصہ گوئی میں لگ گیا تو اوّلاً یہ خود فعل عبث اور مکروہ ہے اس کے علاوہ اسکے ضمن میں غیبت جھوٹ اور دوسرے طرح طرح کے گناہوں کا ارتکاب ہوتا ہے اور ایک بُرا انجام اسکا یہ ہے کہ رات کو دیر تک جاگے گا تو صبح کو سویرے نہیں اُٹھ سکے گا اسی لئے حضرت فاروق اعظمؓ جب کسی کو عشاء کے بعد فضول قصوں میں مشغول دیکھتے تو تنبیہ فرماتے تھے اور بعض کو سزا بھی دیتے تھے اور فرماتے کہ جلد سو جاؤ شاید آخر رات میں تہجد کی توفیق ہو جائے۔ (قرطبی)

أَفَلَمْ يَدَّبَّرُوا الْقَوْلَ سے أَمْ يَقُولُونَ بِهِ جِنَّةٌ تک ایسی پانچ چیزوں کا ذکر ہے جو مشرکین کے لئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے سے کسی درجہ میں مانع ہو سکتی تھیں اور اُن میں سے ہر ایک وجہ کے منتفی ہونے کا بیان اسکے ساتھ کر دیا ہے۔ حاصل اسکا یہ ہے کہ جو وجوہ ان لوگوں کے لئے ایمان سے مانع ہو سکتی تھیں اُن میں سے کوئی بھی وجہ موجود نہیں اور ایمان لانے کے لئے جو اسباب و وجوہ داعی ہیں وہ سب موجود ہیں اس لئے اب اُنکا انکار خالص عناد اور ہٹ دھرمی کے سوا کچھ نہیں جسکا ذکر اسکے بعد کی آیت میں اس طرح فرمایا ہے بَلْ جَاءَهُم بِالْحَقِّ وَأَكْثَرُهُمْ لِلْحَقِّ كَارِهُونَ۔ یعنی اُنکا انکارِ رسالت کی کوئی عقلی یا طبعی وجہ تو موجود نہیں پھر انکار کا سبب اسکے سوا کچھ نہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم حق بات لیکر آئے ہیں اور یہ لوگ حق بات ہی کو بُرا سمجھتے ہیں سُننا نہیں چاہتے جسکا سبب ہوا و ہوس کا غلبہ اور جاہلوں کو جو ریاست و اقتدار حاصل ہے اسکی محبت اور جاہلوں کی تقلید ہے۔ یہ پانچ وجوہ جن کا ذکر ایمان اور اقرار بالنبوت سے مانع ہونیکی حیثیت میں کیا گیا ہے اُن میں ایک یہ بھی بیان فرمائی ہے۔

أَمْ لَمْ يَعْرِفُوا رَسُولَهُمْ، یعنی اُن کے انکار کی ایک وجہ یہ ہو سکتی تھی کہ جو شخص دعوتِ حق اور دعوائے نبوت لیکر آیا ہے یہ کہیں باہر سے آیا ہوتا تاکہ یہ لوگ اسکے نام و نسب اور عادات و خصائل اور کردار سے واقف نہ ہوتے تو یہ کہہ سکتے تھے کہ ہم اس مدعی کے حالات سے واقف نہیں اس کو کیسے نبی و رسُول مان کر اپنا مقتدا بنا لیں۔ مگر یہاں تو یہ بات کھلی ہوئی ہے کہ رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم قریش ہی کے اعلیٰ نسب میں اسی شہر مکہ میں پیدا ہوئے اور بچپن سے لیکر جوانی اور مابعد کا سارا زمانہ انھیں لوگوں کے سامنے گزرا۔ آپ کا کوئی عمل کوئی عادت ان سے چھپی ہوئی نہیں تھی اور دعوائے نبوت سے پہلے تک سارے کفار مکہ آپ کو صادق و امین کہا کرتے تھے آپکے کردار و

عمل پر کسی نے بھی کبھی کوئی شبہ ظاہر نہیں کیا تھا تو اب ان کا یہ عذر بھی نہیں چل سکتا کہ وہ اسکو پہچانتے نہیں۔

وَلَقَدْ اَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ فَمَا اسْتَكَانُوْا لِرَبِّهِمْ وَمَا يَتَضَرَّعُوْنَ ، اس سے پہلی آیت میں مشرکین کے بارے میں یہ کہا گیا تھا کہ یہ لوگ جو عذاب میں مبتلا ہونے کے وقت اللہ سے یا رسول سے فریاد کرتے ہیں اگر ہم ان کی فریاد پر رحم کھا کر عذاب ہٹا دیں تو ان کی جبلی شرارت و سرکشی کا عالم یہ ہے کہ عذاب سے نجات پانے کے بعد پھر اپنی سرکشی اور نافرمانی میں مشغول ہو جائیں گے اس آیت میں اُن کے ایک اسی طرح کے واقعہ کا بیان ہے کہ ان کو ایک عذاب میں پکڑ لیا گیا مگر عذاب سے بدعاءِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نجات پانے کے بعد بھی یہ اللہ کے سامنے نہیں جھکے اور برابر اپنے کفر و شرک پر جمے رہے۔

اہل مکہ پر قحط کا عذاب اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی دعا سے اس کا رفع ہونا

پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اہل مکہ پر قحط کا عذاب مسلط ہونے کی دعا کی تھی اس کی وجہ سے یہ سخت قحط میں مبتلا ہوئے اور مُردار وغیرہ کھانے پر مجبور ہو گئے۔ یہ دیکھ کر ابوسفیانؓ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مدینہ طیبہ حاضر ہوئے اور کہنے لگے کہ میں آپ کو اللہ کی قسم دیتا ہوں اور صلہ رحمی کی، کیا آپ نے یہ نہیں کہا کہ میں اہل عالم کے لئے رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں، آپ نے فرمایا بیشک کہا ہے اور واقعہ بھی یوں ہی ہے۔ ابوسفیانؓ نے کہا کہ آپ نے اپنی قوم کے بڑوں کو تو بدر کے معرکہ میں تلوار سے قتل کر دیا اور جو اب رہ گئے ہیں اُن کو بھوک سے قتل کر رہے ہیں اللہ سے دعا کیجئے کہ یہ عذاب ہم سے ہٹ جائے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی یہ عذاب اسی وقت ختم ہو گیا اسی پر یہ آیت مذکورہ نازل ہوئی وَلَقَدْ اَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ فَمَا اسْتَكَانُوْا لِرَبِّهِمْ۔

اس آیت میں یہ ارشاد ہے کہ عذاب میں مبتلا ہونے پھر اس سے نجات پانے کے بعد بھی یہ لوگ اپنے رب کے سامنے نہیں جھکے چنانچہ واقعہ یہی تھا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی دعا سے قحط رفع بھی ہو گیا مگر مشرکین مکہ اپنے شرک و کفر پر اسی طرح جمے رہے۔ (مظہری وغیرہ)

وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۭ قَلِيْلًا
اور اسی نے بنا دیئے تمہارے کان اور آنکھیں اور دل تم بہت تھوڑا
مَّا تَشْكُرُوْنَ ﴿۷۸﴾ وَهُوَ الَّذِيْ ذَرَاَكُمْ فِي الْاَرْضِ وَاِلَيْهِ
حق مانتے ہو اور اسی نے تم کو پھیلا رکھا ہے زمین میں اور اسی کی طرف
تُحْشَرُوْنَ ﴿۷۹﴾ وَهُوَ الَّذِيْ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ وَلَهُ اخْتِلَافُ الَّيْلِ
جمع ہو کر جاؤ گے اور وہی ہے جلاتا اور مارتا اور اسی کا کام ہے بدلنا رات

وَالنَّهَارِ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۸۰﴾ بَلْ قَالُوْا مِثْلَ مَا قَالَ الْاَوَّلُوْنَ ﴿۸۱﴾
اور دن کا سو کیا تم کو سمجھ نہیں کوئی بات نہیں یہ تو وہی کہہ رہے جیسا کہا کرتے تھے پہلے لوگ
قَالُوْٓا ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ﴿۸۲﴾ لَقَدْ
کہتے ہیں کیا جب ہم مر گئے اور ہو گئے مٹی اور ہڈیاں کیا ہم کو زندہ ہو کر اٹھنا ہے وعدہ دیا
وُعِدْنَا نَحْنُ وَاٰبَاۗؤُنَا ھٰذَا مِنْ قَبْلُ اِنْ ھٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ
جاتا ہے ہم کو اور ہمارے باپ دادوں کو یہی پہلے سے اور کچھ بھی نہیں یہ نقلیں ہیں
الْاَوَّلِيْنَ ﴿۸۳﴾ قُلْ لِّمَنِ الْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهَآ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۴﴾
پہلوں کی تو کہہ کس کی ہے زمین اور جو کوئی اس میں ہے بتاؤ اگر تم جانتے ہو
سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ۭ قُلْ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۸۵﴾ قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ
اب کہیں گے سب کچھ اللہ کا ہے، تو کہہ پھر تم سوچتے نہیں تو کہہ کون ہے مالک ساتوں
السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ﴿۸۶﴾ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ۭ قُلْ اَفَلَا
آسمانوں کا اور مالک اس بڑے تخت کا اب بتائیں گے اللہ کو تو کہہ پھر تم
تَتَّقُوْنَ ﴿۸۷﴾ قُلْ مَنْۢ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ يُجِيْرُ وَلَا
ڈرتے نہیں تو کہہ کس کے ہاتھ میں ہے حکومت ہر چیز کی اور وہ بچا لیتا ہے اور اس
يُجَارُ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۸﴾ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ۭ قُلْ
سے کوئی بچا نہیں سکتا بتاؤ اگر تم جانتے ہو اب بتائیں گے اللہ کو تو کہہ
فَاَنّٰى تُسْحَرُوْنَ ﴿۸۹﴾ بَلْ اَتَيْنٰهُمْ بِالْحَقِّ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۹۰﴾
پھر کہاں سے تم پر جادو آ پڑتا ہے کوئی نہیں ہم نے ان کو پہنچایا سچ اور وہ البتہ جھوٹے ہیں
مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ وَّمَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ اِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ
اللہ نے کوئی بیٹا نہیں کیا اور نہ اسکے ساتھ کسی کا حکم چلے یوں ہوتا تو لے جاتا ہر حکم والا
اِلٰهٍۢ بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰي بَعْضٍ ۭ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا
اپنی بنائی چیز کو اور چڑھائی کرتا ایک پر ایک اللہ نرالا ہے ان کی بتلائی
يَصِفُوْنَ ﴿۹۱﴾ عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۹۲﴾
باتوں سے جاننے والا چھپے اور کھلے کا وہ بہت اوپر ہے اس سے جس کو یہ شریک بتلاتے ہیں

خلاصۂ تفسیر

اور وہ (اللہ) ایسا (قادر اور منعم) ہے جس نے تمہارے لئے کان اور آنکھیں اور دل بنائے

(کہ آرام بھی برتو اور دین کا بھی ادراک کرو لیکن) تم لوگ بہت ہی کم شکر کرتے ہو (کیونکہ اصلی شکر یہ تھا کہ اس منعم کے پسندیدہ دین کو قبول کرتے اور دوبارہ قیامت میں زندہ کرنے کا انکار نہ کرتے) اور وہ ایسا ہے جس نے تم کو زمین میں پھیلا رکھا ہے اور تم سب (قیامت میں) اسی کے پاس لائے جاؤ گے (اُسوقت اس کفرانِ نعمت کی حقیقت معلوم ہوگی) اور وہ ایسا ہے جو جِلاتا ہے اور مارتا ہے اور اُسی کے اختیار میں ہے رات اور دن کا گھٹنا بڑھنا سو کیا تم (اتنی بات) نہیں سمجھتے (کہ یہ دلائل قدرت توحید اور قیامت میں دوسری زندگی دونوں پر دال ہیں مگر) پھر بھی مانتے نہیں، بلکہ یہ بھی ویسی ہی بات کہتے ہیں جو اگلے (کافر) لوگ کہتے چلے آئے ہیں (یعنی) یوں کہتے ہیں کہ کیا ہم جب مر جاویں گے اور ہم مٹی اور ہڈیاں رہ جاویں گے تو کیا ہم دوبارہ زندہ کئے جاویں گے اسکا تو ہم سے اور (ہم سے) پہلے ہمارے بڑوں سے وعدہ ہوتا چلا آیا ہے یہ کچھ بھی نہیں محض بے سند باتیں ہیں جو اگلوں سے منقول ہوتی چلی آتی ہیں (چونکہ اس قول سے انکارِ قدرت لازم آتا ہے اور اس سے مثل انکارِ بعث کے انکارِ توحید کا بھی ہوتا ہے اس لئے اس قول کے جواب میں اثباتِ قدرت کے ساتھ اثباتِ توحید کا بھی ارشاد ہے یعنی) آپ (جواب میں) یہ کہدیجئے کہ (اچھا یہ بتلاؤ کہ) یہ زمین اور جو اس پر رہتے ہیں کس کی ملک ہیں، اگر تم کو کچھ خبر ہے۔ وہ ضرور یہی کہیں گے کہ اللہ کے ہیں (تو) ان سے کہئے کہ پھر کیوں نہیں غور کرتے (کہ قدرت علی البعث اور توحید دونوں کے حکم کا ثبوت ہو جاوے اور) آپ یہ بھی کہئے کہ (اچھا یہ بتاؤ کہ) ان سات آسمانوں کا مالک اور عالیشان عرش کا مالک کون ہے (اسکا بھی) وہ ضرور یہی جواب دیں گے کہ یہ بھی (سب) اللہ کا ہے آپ (اسوقت) کہئے کہ پھر تم (اس سے) کیوں نہیں ڈرتے (کہ اس کی قدرت اور آیات بعث کا انکار کرتے ہو اور) آپ (ان سے) یہ بھی کہئے کہ (اچھا) وہ کون ہے جس کے ہاتھ میں تمام چیزوں کا اختیار ہے اور وہ (جس کو چاہتا ہے) پناہ دیتا ہے اور اسکے مقابلہ میں کوئی کسی کو پناہ نہیں دے سکتا اگر تم کو کچھ خبر ہے (تب بھی جواب میں) وہ ضرور یہی کہیں گے کہ یہ سب صفتیں بھی اللہ ہی کی ہیں آپ (اسوقت) کہئے کہ پھر تم کو کیسا خبط ہو رہا ہے (کہ ان سب مقدمات کو مانتے ہو اور نتیجہ کو کہ توحید اور قیامت کا اعتقاد ہے نہیں مانتے یہ تو استدلال تھا مقصود پر ان کے جواب میں آگے انکے مقدمہ کی دلیل یعنی اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ الخ کا ابطال ہے یعنی یہ جو ان کو بتلایا جا رہا ہے کہ قیامت آوے گی اور مُردے زندہ ہونگے یہ اساطیر الاولین نہیں ہے) بلکہ ہم نے ان کو سچی بات پہنچائی ہے اور یقیناً یہ (خود ہی) جھوٹے ہیں (یہاں تک مکالمہ ختم ہو چکا اور توحید و بعث دونوں ثابت ہو گئے مگر ان دونوں مسئلوں میں چونکہ توحید کا مسئلہ زیادہ مہتم بالشان اور حقیقت میں مسئلہ قیامت و آخرت کا بھی مبنیٰ اور محل کلام بھی زیادہ تھا اس لئے تتمہ تقریر

میں اس کو مستقلاً ارشاد فرماتے ہیں کہ) اللہ تعالیٰ نے کسی کو اولاد قرار نہیں دیا (جیسا مشرکین ملائکہ کی نسبت کہتے تھے) اور نہ اُس کے ساتھ کوئی اور خدا ہے، اگر ایسا ہوتا تو ہر خدا اپنی مخلوق کو (تقسیم کرکے) جُدا کر لیتا اور (پھر دُنیا کے بادشاہوں کی عادت کے مطابق دوسرے کی مخلوقات چھیننے کے لئے) ایک دوسرے پر چڑھائی کرتا (پھر مخلوق کی تباہی کی تو کیا انتہا ہے لیکن نظام عالم بدستور قائم ہے اس سے ثابت ہوا کہ) اللہ تعالیٰ ان (مکروہ) باتوں سے پاک ہے جو یہ لوگ (اسکی نسبت) بیان کرتے ہیں، جاننے والا ہے سب پوشیدہ اور آشکارا کا، غرض ان لوگوں کے شرک سے وہ بالاتر (اور منزہ) ہے۔

معارف و مسائل

وَهُوَ يُجِيْرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ، یعنی اللہ تعالیٰ جس کو چاہے عذاب اور مصیبت رنج و تکلیف سے پناہ دیدے اور یہ کسی کی مجال نہیں کہ اسکے مقابلہ پر کسی کو پناہ دیکر اُس کے عذاب و تکلیف سے بچالے۔ یہ بات دُنیا کے اعتبار سے بھی صحیح ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کو کوئی نفع پہنچانا چاہے اسکو کوئی روک نہیں سکتا اور جس کو کوئی تکلیف و عذاب دینا چاہے اُس سے کوئی بچا نہیں سکتا۔ اور آخرت کے اعتبار سے بھی یہ مضمون صحیح ہے کہ جس کو وہ عذاب میں مبتلا کریگا اُس کو کوئی بچا نہ سکے گا اور جسکو جنت اور راحت دیگا اُس کو کوئی روک نہ سکے گا (قرطبی)

قُلْ رَّبِّ اِمَّا تُرِيَنِّيْ مَا يُوْعَدُوْنَ ﴿٩٣﴾ رَبِّ فَلَا تَجْعَلْنِيْ

تو کہہ اے رب اگر تو دکھانے لگے مجھ کو جو اُن سے وعدہ ہوا ہے تو اے رب مجھ کو نہ کرو

فِي الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٩٤﴾ وَاِنَّا عَلٰٓى اَنْ نُّرِيَكَ مَا نَعِدُهُمْ

ان گنہگار لوگوں میں اور ہم کو قدرت ہے کہ تجھ کو دکھلا دیں جو اُن سے وعدہ

لَقٰدِرُوْنَ ﴿٩٥﴾ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ السَّيِّئَةَ ۭ نَحْنُ اَعْلَمُ

کر دیا ہے بُری بات کے جواب میں وہ کہہ جو بہتر ہے ہم خوب جانتے ہیں

بِمَا يَصِفُوْنَ ﴿٩٦﴾ وَقُلْ رَّبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ ﴿٩٧﴾ وَ

جو یہ بتاتے ہیں اور کہہ اے رب میں تیری پناہ چاہتا ہوں شیطان کی چھیڑ سے اور

اَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ ﴿٩٨﴾ حَتّٰٓى اِذَا جَاۗءَ اَحَدَهُمُ

پناہ تیری چاہتا ہوں اے رب اس سے کہ میرے پاس آئیں یہاں تک کہ جب پہنچے اُن میں کسی کو

الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ ﴿٩٩﴾ لَعَلِّيْٓ اَعْمَلُ صَالِحًا فِيْمَا تَرَكْتُ

موت کہے گا اے رب مجھ کو پھر بھیج دو شاید کچھ میں بھلا کام کر لوں اس میں جو پیچھے چھوڑ آیا

كَلَّا ۭ اِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَاۗىِٕلُهَا ۭ وَمِنْ وَّرَاۗىِٕهِمْ بَرْزَخٌ
ہرگز نہیں یہ ایک بات ہے کہ وہی کہتا ہے اور ان کے پیچھے پردہ ہے اس دن

اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ۝۱۰۰
تک کہ اٹھائے جائیں

خلاصۂ تفسیر

آپ (حق تعالیٰ سے) دعا کیجئے کہ اے میرے رب جس عذاب کا ان کافروں سے وعدہ کیا جارہا ہے (جیسا اوپر اِذَآ اَخَذْنَا مُتْرَفِيْهِمْ سے بھی معلوم ہوا) اگر آپ مجھ کو دکھا دیں (مثلاً یہ کہ وہ عذاب ان پر میری زندگی میں اس طور سے آوے کہ میں بھی دیکھوں کیونکہ اس عذاب موعود کا کوئی وقت خاص نہیں بتلایا گیا ہے چنانچہ آیت مذکورہ بھی مبہم ہے جس میں یہ احتمال مذکور بھی ہے غرض اگر ایسا ہوا) تو اے میرے رب مجھ کو ان ظالم لوگوں میں شامل نہ کیجئے اور ہم اس بات پر کہ جو ان سے وعدہ کر رہے ہیں آپکو بھی دکھلا دیں قادر ہیں (باقی جب تک اُن پر عذاب نہ آوے) آپ (ان کیساتھ یہ معاملہ رکھئے کہ) ان کی بدی کا دفعیہ ایسے برتاؤ سے کر دیا کیجئے جو بہت ہی اچھا (اور نرم) ہو (اور اپنی ذات کے لئے بدلہ نہ لیجئے بلکہ ہمارے حوالہ کر دیا کیجئے) ہم خوب جانتے ہیں جو کچھ یہ (آپ کی نسبت) کہا کرتے ہیں اور (اگر آپکو بمقتضائے بشریت غیظ آجایا کرے تو) آپ یوں دعا کیا کیجئے کہ اے میرے رب میں آپ کی پناہ مانگتا ہوں شیطانوں کے وسوسوں سے (جو مفضی ہوجاویں کسی ایسے امر کیطرف جو خلاف مصلحت ہو گو خلاف شریعت نہ ہو) اور اے میرے رب میں آپ کی پناہ مانگتا ہوں اس سے کہ شیطان میرے پاس بھی آویں (اور وسوسہ ڈالنا تو درکنار پس اس سے وہ غیظ جاتا رہے گا۔ یہ کفار اپنے کفر و انکارِ معاد سے باز نہیں آتے) یہاں تک کہ جب اُنمیں سے کسی (کے سر) پر موت آ (کھڑی ہو) تی ہے (اور آخرت کا معائنہ ہونے لگتا ہے) اُس وقت (آنکھیں کھلتی ہیں اور اپنے جہل و کفر پر نادم ہوکر) کہتا ہے کہ اے میرے رب (مجھ سے موت کو ٹالدیجئے اور) مجھ کو (دنیا میں) پھر واپس بھیج دیجئے تاکہ جس (دنیا) کو میں چھوڑ آیا ہوں اُس میں (پھر جاکر) نیک کام کروں (یعنی تصدیق و طاعت حق تعالیٰ اس درخواست کو رد فرماتے ہیں کہ) ہرگز (ایسا) نہیں (ہوگا) یہ (اسکی) ایک بات ہی بات ہے جسکو یہ کہے جارہا ہے (اور پوری ہونے والی نہیں) اور (وجہ اس کی یہ ہے کہ) ان لوگوں کے آگے ایک (چیز) آڑ (کی آنے والی) ہے (کہ جسکا آنا ضروری ہے اور وہی دنیا میں واپس آنے سے مانع ہے مراد اس سے موت ہے کہ اسکا وقوع بھی وقت مقدر پر ضروری ہے وَلَنْ يُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا اِذَا جَاۗءَ اَجَلُهَا اور موت کے بعد دنیا میں لوٹ کر آنا بھی) قیامت کے دن تک (قانونِ الٰہی کے خلاف ہے)

معارف و مسائل

قُلْ رَّبِّ اِمَّا تُرِيَنِّيْ مَا يُوْعَدُوْنَ ۝ رَبِّ فَلَا تَجْعَلْنِيْ فِي الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝

مطلب ان دونوں آیتوں کا یہ ہے کہ قرآن کریم کی بہت سی آیتوں میں مشرکین و کفار پر عذاب کی وعید مذکور ہے جو عام ہے قیامت میں تو اسکا وقوع قطعی اور یقینی ہے دنیا میں ہونیکا بھی احتمال ہے پھر یہ عذاب اگر دنیا میں ان پر واقع ہو تو اسمیں یہ احتمال بھی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے بعد آئے اور یہ بھی احتمال ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں آپ ہی کے سامنے اُن پر اللہ کا کوئی عذاب آجائے اور دنیا میں جب کسی قوم پر عذاب آتا ہے تو بعض اوقات اُس عذاب کا اثر صرف ظالموں ہی پر نہیں رہتا بلکہ نیک لوگ بھی اُس سے دنیاوی تکلیف میں متاثر ہوتے ہیں گو آخرت میں انکو کوئی عذاب نہ ہو بلکہ اس دنیا کی تکلیف پر جو ان کو پہنچتی ہے اجر بھی ملے۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَاۗصَّةً ۚ یعنی ایسے عذاب سے ڈرو جو اگر آگیا تو صرف ظالموں ہی تک نہیں رہے گا دوسرے لوگ بھی اُسکے لپیٹ میں آئیں گے۔

ان آیات میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ دعا تلقین فرمائی گئی ہے کہ یا اللہ اگر ان لوگوں پر آپ کا عذاب میرے سامنے اور میرے دیکھتے ہوئے ہی آتا ہے تو مجھے ان ظالموں کیساتھ نہ رکھئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا معصوم اور عذاب الٰہی سے محفوظ ہونا اگرچہ آپ کے لئے یقینی تھا مگر پھر بھی اس دعا کی تلقین اس لئے فرمائی گئی کہ آپ ہر حال میں اپنے رب کو یاد رکھیں اُس سے فریاد کرتے رہیں تاکہ آپ کا اجر بڑھے۔ (قرطبی)

وَاِنَّا عَلٰٓي اَنْ نُّرِيَكَ مَا نَعِدُهُمْ لَقٰدِرُوْنَ، یعنی ہم کو اس پر پوری قدرت ہے کہ ہم آپ کے سامنے ہی آپ کو ان پر عذاب آتا ہوا دکھلا دیں۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ اگرچہ اس اُمت پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے عذابِ عام نہ آنیکا وعدہ اللہ تعالیٰ کیطرف سے ہوچکا ہے وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ، یعنی ہم ان لوگوں کو اس حالت میں ہلاک کرنیوالے نہیں کہ آپ ان کے اندر موجود ہوں لیکن خاص خاص لوگوں پر خاص حالات میں عذاب دنیا ہی میں آجانا اسکے منافی نہیں۔ اس آیت میں جیسا کہ فرمایا ہے کہ ہم اس پر قادر ہیں کہ آپ کو بھی ان کا عذاب دکھلا دیں وہ اہل مکہ پر قحط اور بھوک کا عذاب پھر غزوہ بدر میں مسلمانوں کی تلوار کا عذاب آپکے سامنے ہی ان پر پڑ چکا تھا (قرطبی)

اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِىَ اَحْسَنُ السَّيِّئَةَ، یعنی آپ برائی کو بھلائی کے ذریعہ ظلم کو انصاف کے ذریعہ اور بے رحمی کو رحم کے ذریعہ دفع فرمادیں۔ یہ مکارم اخلاق کی تعلیم ہے جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو دی گئی ہے جو مسلمانوں کے باہم معاملات کے لئے ہمیشہ جاری ہے البتہ

کفار و مشرکین سے اُن کے مظالم کے مقابلے میں عفو و درگزر ہی کرتے رہنا، اُن پر ہاتھ نہ اٹھانا، یہ حکم آیاتِ جہاد سے منسوخ ہوگیا مگر عین حالتِ جہاد میں بھی اس حُسنِ خلق کے بہت سے مظاہر باقی رکھے گئے کہ عورت کو قتل نہ کیا جائے، بچے کو قتل نہ کیا جائے جو مذہبی لوگ مسلمانوں کے مقابلے پر جنگ میں شریک نہیں اُن کو قتل نہ کیا جائے اور جس کو بھی قتل کریں تو اُس کا مُثلہ نہ بنادیں کہ ناک کان وغیرہ کاٹ لیں، وغیر ذٰلک من احکام مکارم الاخلاق۔ اسی لئے بعد کی آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو شیطان اور اسکے وساوس سے پناہ مانگنے کی دُعا تلقین کی گئی کہ عین میدانِ قتال میں بھی آپ کی طرف سے عدل و انصاف اور مکارم اخلاق کے خلاف کوئی چیز شیطان کے غصہ دلانے سے صادر نہ ہونے پائے وہ دُعا یہ ہے:۔

وَقُلْ رَّبِّ أَعُوذُ بِكَ مِنْ هَمَزَاتِ الشَّيَاطِينِ ۝ وَأَعُوذُ بِكَ رَبِّ أَن يَحْضُرُونِ لفظ ھمز کے معنے دھکا دینے اور دبانے کے آتے ہیں۔ اور پیچھے کی طرف سے آواز دینے کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ یہ دُعا اپنے مفہوم عام کے اعتبار سے ایک جامع دُعا شیطان کے شر اور مکر سے بچنے کے لئے ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو اس دُعا کی تلقین فرمائی ہے تاکہ ایسے غصہ اور غیظ و غضب کی حالت میں جبکہ انسان کو اپنے نفس پر قابو نہیں رہتا اور اسمیں ھمزِ شیطان کا دخل ہوتا ہے اُس سے محفوظ رہیں۔ اس کے علاوہ شیاطین اور جنات کے دوسرے آثار اور حملوں سے بچنے کے لئے بھی یہ دُعا مجرب ہے۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو شب میں نیند نہ آتی تھی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اُن کو یہ کلماتِ دُعا تلقین فرمائے کہ یہ پڑھ کر لیٹا کریں۔ اُنھوں نے پڑھا تو یہ شکایت جاتی رہی وہ دُعا یہ ہے أَعُوذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّةِ مِنْ غَضَبِ اللّٰهِ وَعِقَابِهِ وَمِنْ شَرِّ عِبَادِهِ وَمِنْ هَمَزَاتِ الشَّيَاطِينِ وَأَن يَحْضُرُونِ۔

أَن يَحْضُرُونِ، صحیح مسلم میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شیطان تمھارے ہر کام میں ہر حال میں تمھارے پاس آتا ہے اور ہر کام میں گناہوں اور غلط کاموں کا وسوسہ دل میں ڈالتا رہتا ہے (قرطبی) اسی سے پناہ مانگنے کے لئے یہ دُعا تلقین فرمائی گئی ہے۔

رَبِّ ارْجِعُونِ، یعنی موت کے وقت کافر جب آخرت کا عذاب سامنے آنے لگتا ہے تو وہ تمنا کرتا ہے کہ کاش میں پھر دُنیا میں لوٹ جاؤں اور نیک عمل کرکے اس عذاب سے نجات حاصل کرلوں۔ ابن جریر نے بروایت ابن جریج نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ موت کے وقت مومن جب رحمت کے فرشتے اور رحمت کے سامان سامنے دیکھنے لگتا ہے تو

فرشتے اُس سے پوچھتے ہیں کہ کیا تم چاہتے ہو کہ پھر تمھیں دُنیا میں واپس کردیا جائے تو وہ کہتا ہے کہ میں اُن غموں اور تکلیفوں کے عالم میں جاکر کیا کرونگا مجھے تو اب اللہ کے پاس لیجاؤ اور کافر سے پوچھتے ہیں تو وہ کہتا ہے رَبِّ ارْجِعُونِ یعنی مجھے دُنیا میں لوٹا دو۔

كَلَّا ۚ إِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَائِلُهَا ۖ وَمِن وَرَائِهِم بَرْزَخٌ إِلَىٰ يَوْمِ يُبْعَثُونَ، برزخ کے لفظی معنے حاجز اور فاصل کے ہیں۔ دو حالتوں یا دو چیزوں کے درمیان جو چیز فاصل ہو اسکو برزخ کہتے ہیں اسی لئے موت کے بعد قیامت اور حشر تک کے زمانے کو برزخ کہا جاتا ہے کہ یہ دُنیاوی حیات اور آخرت کی حیات کے درمیان حدِ فاصل ہے اور معنے آیت کے یہ ہیں کہ جب مرنے والا کافر فرشتوں سے دوبارہ دُنیا میں بھیجنے کو کہتا ہے تو یہ کلمہ تو اُس کو کہنا ہی تھا کیونکہ اب عذاب سامنے آچکا ہے مگر اس کلمہ کا اب کوئی فائدہ اسلئے نہیں کہ وہ اب برزخ میں پہنچ چکا ہے جس کا قانون یہ ہے کہ برزخ سے لوٹ کر کوئی دُنیا میں نہیں آتا اور قیامت اور بعث و نشر سے پہلے دوسری زندگی نہیں ملتی۔ واللہ اعلم

فَإِذَا نُفِخَ فِي الصُّورِ فَلَا أَنسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَلَا يَتَسَاءَلُونَ (١٠١)
پھر جب پھونکی جاوے صور میں تو نہ قرابتیں رہیں ان میں اس دن اور نہ ایک دوسرے کو پوچھے

فَمَن ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ (١٠٢) وَمَنْ خَفَّتْ
سو جس کی بھاری ہوئی تول تو وہی لوگ کام کے نکلے اور جس کی ہلکی نکلی

مَوَازِينُهُ فَأُولَٰئِكَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنفُسَهُمْ فِي جَهَنَّمَ خَالِدُونَ (١٠٣)
تول تو وہی لوگ جو ہار بیٹھے اپنی جان دوزخ ہی میں رہا کریں گے

تَلْفَحُ وُجُوهَهُمُ النَّارُ وَهُمْ فِيهَا كَالِحُونَ (١٠٤) أَلَمْ تَكُنْ آيَاتِي
جھلس دے گی ان کے منہ کو آگ اور وہ اسمیں بدشکل ہو رہے ہونگے کیا تم کو سنائی نہ جاتی تھیں ہماری

تُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ فَكُنتُم بِهَا تُكَذِّبُونَ (١٠٥) قَالُوا رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا
آیتیں پھر تم ان کو جھٹلاتے تھے بولے اے رب زور کیا ہم پر

شِقْوَتُنَا وَكُنَّا قَوْمًا ضَالِّينَ (١٠٦) رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْهَا فَإِنْ عُدْنَا
ہماری کم بختی نے اور رہے ہم لوگ بہکے ہوئے اے ہمارے رب نکال لے ہم کو اسمیں سے اگر ہم پھر کریں

فَإِنَّا ظَالِمُونَ (١٠٧) قَالَ اخْسَئُوا فِيهَا وَلَا تُكَلِّمُونِ (١٠٨) إِنَّهُ
تو ہم گنہگار فرمایا پڑے رہو پھٹکارے ہوئے اسی میں اور مجھ سے نہ بولو ایک

كَانَ فَرِيقٌ مِّنْ عِبَادِي يَقُولُونَ رَبَّنَا آمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا
فرقہ تھا میرے بندوں میں جو کہتے تھے اے رب ہمارے ہم یقین لائے سو معاف کر ہم کو اور رحم کر ہم پر

وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ (۱۰۹) فَاتَّخَذْتُمُوْهُمْ سِخْرِيًّا حَتّٰٓى اَنْسَوْكُمْ

اور تو سب رحم والوں سے بہتر ہے پھر تم نے ان کو ٹھٹھوں میں پکڑا یہاں تک کہ بھلا دیا انہوں نے تم کو

ذِكْرِيْ وَكُنْتُمْ مِّنْهُمْ تَضْحَكُوْنَ (۱۱۰) اِنِّيْ جَزَيْتُهُمُ الْيَوْمَ بِمَا صَبَرُوْٓا

میری یاد اور تم اُن سے ہنستے رہے میں نے آج دیا اُن کو بدلہ اُن کے صبر کرنے کا

اَنَّهُمْ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ (۱۱۱) قٰلَ كَمْ لَبِثْتُمْ فِي الْاَرْضِ عَدَدَ

کہ وہی ہیں مراد کو پہنچنے والے فرمایا تم کتنی دیر رہے زمین میں برسوں کی

سِنِيْنَ (۱۱۲) قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ فَسْئَلِ الْعَآدِّيْنَ (۱۱۳)

گنتی سے بولے ہم رہے ایک دن یا کچھ دن سے کم تو پوچھ لے گنتی والوں سے

قٰلَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا لَّوْ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (۱۱۴)

فرمایا تم اس میں بہت نہیں تھوڑا ہی رہے ہو اگر تم جانتے ہوتے

اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّاَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ (۱۱۵)

سو کیا تم خیال رکھتے ہو کہ ہم نے تم کو بنایا کھیلنے کو اور تم ہمارے پاس پھر کر نہ آؤ گے

خلاصۂ تفسیر

پھر جب (قیامت کا روز ہوگا اور) صُور پھونکا جاویگا تو (ایسی ہول و ہیبت میں گرفتار ہونگے کہ) اُن میں (جو) باہمی رشتے ناتے (تھے) اُس روز (وہ بھی گویا) نہ رہیں گے (یعنی کوئی کسی کی ہمدردی نہ کریگا جیسے اجنبی اجنبی ہوتے ہیں) اور نہ کوئی کسی کو پُوچھے گا (کہ بھائی تم کس حالت میں ہو، غرض نہ رشتہ ناتا کام آویگا نہ دوستی اور تعارف، پس وہاں کام کی چیز ایک ایمان ہوگا جس کی عام شناخت کے لئے کہ سب پر ظاہر ہو جاوے ایک ترازو کھڑی کی جاویگی اور اس سے اعمال عقائد کا وزن ہوگا) سو جس شخص کا پلہ (ایمان کا) بھاری ہوگا (یعنی وہ مومن ہوگا) تو ایسے لوگ کامیاب (یعنی نجات پانیوالے) ہونگے (اور مذکور ہول و ہیبت کے حالات کہ نہ کسی کا رشتہ کام آوے نہ دوستی اور نہ کوئی کسی کو پُوچھے کہ کس حال میں ہو یہ ان مومنین کو پیش نہ آئیں گے لقولہ تعالیٰ لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ۔ الآیۃ) اور جس شخص کا پلہ (ایمان کا) ہلکا ہوگا (یعنی وہ کافر ہوگا) سو یہ وہ لوگ ہونگے جنھوں نے اپنا نقصان کر لیا اور جہنم میں ہمیشہ کے لئے رہیں گے ان کے چہروں کو (اس جہنم کی) آگ جھلستی ہوگی اور اُس (جہنم) میں اُن کے منہ بگڑے ہونگے (اور ان سے حق تعالیٰ بواسطہ یا بلا واسطہ ارشاد فرما دیں گے کہ) کیوں کیا میری آیتیں (دُنیا میں) تم کو پڑھ کر سُنائی نہیں جایا کرتی تھیں، اور تم اُن کو جھٹلایا کرتے تھے (یہ اُسکی سزا مل رہی ہے) وہ کہیں گے کہ اے ہمارے رب (واقعی)

ہماری بدبختی نے ہم کو (ہمارے ہاتھوں) گھیر لیا تھا اور (بیشک) ہم گمراہ لوگ تھے (یعنی ہم جُرم کا اقرار اور اس پر ندامت و معذرت کا اظہار کرکے درخواست کرتے ہیں کہ) اے ہمارے رب ہم کو اس (جہنم) سے (اب) نکال دیجئے (اور دوبارہ دُنیا میں بھیج دیجئے لقولہ تعالیٰ فی الم السجدۃ فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا) پھر اگر ہم دوبارہ (ایسا) کریں تو ہم بیشک پُورے قصوروار ہیں (اُسوقت ہمکو خوب سزا دیجئے اور اب چھوڑ دیجئے) ارشاد ہوگا کہ اسی (جہنم) میں راندے ہوئے پڑے رہو اور مجھ سے بات مت کرو (یعنی ہم نہیں منظور کرتے، کیا تم کو یاد نہیں رہا کہ) میرے بندوں میں ایک گروہ (ایمانداروں کا) تھا جو (بیچارے ہم سے) عرض کیا کرتے تھے کہ اے ہمارے پروردگار ہم ایمان لے آئے سو ہم کو بخش دیجئے اور ہم پر رحمت فرمائیے اور آپ سب رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم کرنے والے ہیں سو تم نے (محض اس بات پر جو ہر طرح قابل قدر تھی) ان کا مذاق مقرر کیا تھا (اور) یہاں تک (اس کا مشغلہ کیا) کہ ان کے مشغلہ نے تم کو ہماری یاد بھی بھلا دی اور تم اُن سے ہنسی کیا کرتے تھے (سو ان کا تو کچھ نہ بگڑا چند روز کی کلفت تھی کہ صبر کرنا پڑا جسکا یہ نتیجہ ملا کہ) میں نے اُن کو آج اُن کے صبر کا یہ بدلہ دیا، کہ وہی کامیاب ہوئے (اور تم اس ناکامی میں گرفتار ہوئے مطلب جواب کا یہ ہوا کہ تمہارا قصور اس قابل نہیں کہ سزا کے وقت اقرار کرلے سے معاف کر دیا جاوے کیونکہ تم نے ایسا معاملہ کیا جس سے ہمارے حقوق کا بھی اتلاف ہوا اور حقوق العباد کا بھی۔ اور عباد بھی کیسے ہمارے مقبول اور محبوب جو ہم سے خصوصیت خاصّہ رکھتے تھے کیونکہ ان کو مسخرہ بنانے میں اُن کی ایذا ہے کہ اضاعۃ حق العبد ہے اور تکذیب حق جو منشا مسخریہ کا ہے کہ اضاعۃ حق اللہ ہے دونوں لازم آئے پس اس کی سزا کے لئے دوام اور تمام ہی مناسب ہے اور مؤمنین کو اُن کے سامنے جنت کی نعمتوں سے کامیاب کرنا یہ بھی ایک سزا ہے کفار کیلئے کیونکہ اعداء کی کامیابی سے روحانی ایذا ہوتی ہے یہ تو جواب ہوگیا اُن کی درخواستوں کا آگے تنبیہ ہے اُن کے بطلانِ اعتقاد و مشرب پر تاکہ ذلت پر ذلت و حسرت پر حسرت ہونے سے عقوبت میں شدت ہو جاوے) ارشاد ہوگا کہ (اچھا یہ تبلاؤ) تم برسوں کے شمار سے کس قدر مدت زمین میں رہے ہوگے (چونکہ وہاں کے ہول و ہیبت سے اُن کے ہوش و حواس گم ہو چکے ہونگے اور اُس دن کا طول بھی پیش نظر ہوگا) وہ جواب دیں گے کہ (برس کیسے، بہت رہے ہونگے تو) ایک دن یا ایک دن سے بھی کم رہے ہونگے (اور سچ یہ ہے کہ ہم کو یاد نہیں) سو گننے والوں سے (یعنی فرشتوں سے کہ اعمال و اعمار سب کا حساب کرتے تھے) پُوچھ لیجئے، ارشاد ہوگا کہ (یوم اور بعض یوم تو غلط ہے مگر اتنا تو تمہارے اقرار سے جو کہ صحیح بھی ہے ثابت ہوگیا کہ) تم (دُنیا میں) تھوڑی ہی مدت رہے (لیکن) کیا خوب ہوتا کہ تم (یہ بات اُسوقت) سمجھتے ہوتے (کہ دُنیا کی بقا ناقابل اعتبار ہے اور اسکے سوا اور کوئی دار القرار ہے مگر وہاں تو بقا کو دُنیا ہی میں منحصر سمجھا اور

اس عالم کا انکار کرتے ہے وَقَالُوْٓا اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ ، اور اب جو غلطی ظاہر ہوئی اور صحیح سمجھے تو بیکار، اور غلطی اعتقاد پر تنبیہ کے بعد آگے پھر اس اعتقاد پر زجر ہے، جو بطور خلاصہ مضمون فرد قرار داد جرم کے ہے کہ) ہاں تو کیا تم نے یہ خیال کیا تھا کہ ہم نے تم کو یوں ہی مہمل (خالی از حکمت) پیدا کر دیا ہے اور یہ (خیال کیا تھا) کہ تم ہمارے پاس نہیں لائے جاؤ گے (مطلب یہ کہ جب ہم نے آیات میں جن کا صدق دلائل صحیحہ سے ثابت ہے قیامت اور وہیں اعمال کے بدلے کی خبر دی تھی تو معلوم ہو گیا تھا کہ مکلفین کی تخلیق کی حکمتوں میں سے ایک حکمت یہ بھی ہے کہ اسکا منکر ہونا کتنا بڑا امر منکر تھا)۔

معارف و مسائل

فَاِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَلَآ اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ ، قیامت کے روز صور دو مرتبہ پھونکا جائے گا نفخہ اولیٰ یعنی پہلے صور کا یہ اثر ہوگا کہ سارا عالم زمین و آسمان اور جو انکے درمیان ہے فنا ہو جائیگا اور نفخہ ثانیہ سے پھر سارے مردے زندہ ہو کر کھڑے ہو جائیں گے قرآن کریم کی آیت ثُمَّ نُفِخَ فِيْهِ اُخْرٰى فَاِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ میں اس کی تصریح موجود ہے۔ اس آیت میں صور کا نفخہ اولیٰ مراد ہے یا نفخہ ثانیہ، اس میں اختلاف ہے۔ حضرت ابن عباسؓ سے بروایت ابن جبیرؒ منقول ہے کہ اس آیت میں مراد نفخہ اولیٰ ہے اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا اور بروایت عطاؒ یہی بات حضرت ابن عباسؓ سے بھی منقول ہے کہ مراد اس جگہ نفخہ ثانیہ ہے۔ تفسیر مظہری میں اسی کو ترجیح قرار دیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا قول یہ ہے کہ قیامت کے روز ایک ایک بندے مرد و عورت کو محشر کے میدان میں لایا جائے گا اور تمام اولین و آخرین کے اس بھرے مجمع کے سامنے کھڑا کیا جائے گا پھر اللہ تعالیٰ کا ایک منادی یہ ندا کریگا کہ یہ شخص فلاں بن فلاں ہے اگر کسی کا کوئی حق اسکے ذمہ ہے تو سامنے آجائے اس سے اپنا حق وصول کرے۔ یہ وہ وقت ہوگا کہ بیٹا اسپر خوش ہوگا کہ میرا حق باپ کے ذمہ نکل آیا، اور باپ کا کوئی حق بیٹے پر ہوا تو باپ خوش ہوگا کہ اس سے وصول کرونگا اسی طرح میاں بیوی اور بھائی بہن جس کا جسپر کوئی حق ہوگا یہ منادی سنکر اس سے وصول کرنے پر آمادہ اور خوش ہوگا، یہی وہ وقت ہے جس کے متعلق اس آیت مذکورہ میں آیا ہے فَلَآ اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ ، یعنی اسوقت باہمی نسبی رشتے اور قرابتیں کام نہ آئیں گی کوئی کسی پر رحم نہ کریگا، ہر شخص کو اپنی اپنی فکر لگی ہوگی یہی مضمون اس آیت کا ہے يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِيْهِ وَاُمِّهٖ وَاَبِيْهِ وَصَاحِبَتِهٖ وَبَنِيْهِ ، یعنی وہ دن جس میں ہر انسان اپنے بھائی سے، ماں اور باپ سے، بیوی اور اولاد سے دور بھاگے گا۔

محشر میں مؤمنین اور کفار کے حالات میں فرق

مگر یہ حال کافروں کا ذکر کیا گیا ہے جیسا کہ اوپر اسکا ذکر موجود ہے مؤمنین کا یہ حال نہیں ہوگا کیونکہ مؤمنین کا حال خود قرآن نے یہ ذکر کیا ہے اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ ، یعنی مؤمنین صالحین کی اولاد کو بھی اللہ تعالیٰ (بشرط ایمان) اپنے آبا رصالحین کیساتھ لگا دیں گے اور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے روز جس وقت محشر میں سب پیاسے ہونگے تو مسلمان بچے جو نابالغی کی حالت میں مر گئے تھے وہ جنت کا پانی لئے ہوئے نکلیں گے لوگ ان سے پانی مانگیں گے تو وہ کہیں گے کہ ہم تو اپنے ماں باپ کو تلاش کر رہے ہیں یہ پانی ان کے لئے ہے۔ (رواہ ابن ابی الدنیا عن عبداللہ بن عمروؓ وعن ابی ذرؓ۔ مظہری)

اسی طرح ایک صحیح حدیث میں جس کو ابن عساکر نے بسند صحیح حضرت ابن عمرؓ سے نقل کیا ہے یہ ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے روز ہر نسبی تعلق یا زوجیت کے تعلق سے جو رشتے پیدا ہونگے وہ سب منقطع ہو جائیں گے (کوئی کسی کے کام نہ آویگا) بجز میرے نسب اور میری زوجیت کے رشتہ کے علما نے فرمایا کہ اس نسب نبوی میں ساری امت کے مسلمان بھی داخل ہیں کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم امت کے باپ اور آپ کی ازواج مطہرات امت کی مائیں ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ رشتہ اور دوستی کا کوئی تعلق کسی کے کام نہ آنا یہ حال محشر میں کافروں کا ہوگا مؤمنین ایک دوسرے کی شفاعت اور مدد کریں گے اور ان کے تعلقات ایک دوسرے کے کام آئیں گے۔

وَلَا يَتَسَآءَلُوْنَ ، یعنی آپس میں کوئی کسی کی بات نہ پوچھے گا اور دوسری ایک آیت میں جو یہ مذکور ہے فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ ، یعنی محشر میں لوگ باہم ایک دوسرے سے سوالات کریں گے اور حالات پوچھیں گے۔ اس کے بارہ میں حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ محشر میں مختلف موقف ہوں گے ہر موقف کا حال مختلف ہوگا۔ ایک وقت ایسا بھی آئے گا کہ کوئی کسی کو نہ پوچھیگا پھر کسی موقف میں جب وہ ہیبت اور ہول کا غلبہ کم ہو جائیگا تو باہم ایک دوسرے کا حال بھی دریافت کریں گے۔ (مظہری) فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فِيْ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ یعنی میزان عمل میں جس شخص کا نیکیوں کا پلہ بھاری ہوگا وہی فلاح پانے والے ہیں اور جسکا پلہ نیکیوں کا ہلکا رہے گا تو یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے دنیا میں خود اپنے ہاتھوں اپنا نقصان کیا اور اب وہ ہمیشہ کے لئے جہنم میں رہنے والے ہیں۔ اس آیت میں مقابلہ صرف مؤمنین کاملین اور کفار کا ہے اور انھیں کے وزن اعمال کا اور ان میں سے ہر ایک کے انجام کا ذکر کیا گیا کہ مؤمنین کاملین کا پلہ بھاری ہوگا انکو فلاح حاصل ہوگی، کفار کا پلہ ہلکا رہے گا ان کو ہمیشہ کے لئے جہنم میں رہنا پڑیگا۔

اور قرآن کریم کی دوسری تصریحات سے ثابت ہے کہ اس جگہ مؤمنین کاملین کا پلہ بھاری ہوگا

مطلب یہ ہے کہ دوسرے پلے یعنی سیئات و معاصی کے پلڑے میں کوئی وزن ہی نہ ہوگا وہ خالی نظر آئے گا۔ اور کفار کا پلہ ہلکا ہونیکا مطلب یہ ہے کہ نیکیوں کے پلہ میں کوئی وزن ہی نہ ہوگا بالکل خالی جیسا ہوتا رہے گا جیساکہ قرآن میں ارشاد ہے فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا ، یعنی ہم کفار اور انکے اعمال کا قیامت کے دن کوئی وزن ہی قائم نہ کریں گے۔ یہ حال تو مؤمنین کاملین کا ہوا اور جن سے گناہ سرزد ہی نہیں ہوئے یا توبہ وغیرہ سے معاف کر دیئے گئے وزنِ اعمال کے وقت سیئات کے پلہ میں اُن کے نام پر کچھ نہ ہوگا۔ دوسری طرف کفار ہیں جن کے نیک اعمال بھی شرطِ ایمان نہ ہونے کے سبب میزانِ عدل میں بے وزن ہوں گے۔ باقی رہا معاملہ گنہگار مسلمانوں کا جن کے نیکیوں کے پلہ میں بھی اعمال ہونگے اور سیئات کے پلہ میں بھی اعمال ہونگے ان کا ذکر اس آیت میں صراحۃً نہیں کیا گیا بلکہ عموماً قرآن کریم میں گنہگار مسلمانوں کی سزا و جزاء سے سکوت ہی اختیار کیا گیا ہے اس کی وجہ شاید یہ ہو کہ نزولِ قرآن کے زمانے میں جتنے مؤمنین صحابہ کرامؓ تھے وہ سب کے سب عدول تھے یعنی عموماً تو وہ کبیرہ گناہوں سے پاک ہی رہے اور اگر کسی سے کوئی گناہ ہو بھی گیا تو اُسنے توبہ کرلی توبہ سے معاف ہوگیا۔ (مظہری)

قرآن مجید کی ایک آیت خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا میں ایسے لوگوں کا ذکر ہے جنکے نیک بداعمال ملے جلے ہیں۔ اُن کے متعلق حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ قیامت کے روز ان لوگوں کے اعمال کا حساب اس طرح ہوگا کہ جس شخص کی نیکیاں اُسکے گناہوں سے بڑھ جائیں خواہ ایک ہی نیکی کی مقدار سے بڑھے وہ جنت میں جائیگا اور جس شخص کے سیئات اور گناہ نیکیوں سے بڑھ جائیں خواہ ایک ہی گناہ کی مقدار سے بڑھے وہ دوزخ میں جائیگا مگر اس مؤمن گنہگار کا دوزخ میں داخلہ تطہیر اور پاک کرنے کے لئے ہوگا جیسے لوہے، سونے وغیرہ کو آگ میں ڈال کر میل اور زنگ سے صاف کیا جاتا ہے اس کا جہنم میں جانا بھی ایسا ہی ہوگا۔ جس وقت جہنم کی آگ سے اسکے گناہوں کا زنگ دُور ہو جاویگا تو جنت میں داخل ہونے کے قابل ہو جاویگا اور جنت میں بھیجدیا جائے گا اور حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ قیامت کی میزانِ عمل ایسا صحیح وزن کرنے والی ہوگی کہ ایک رائی کے دانہ کے برابر بھی کمی بیشی ہوگی تو پلہ جھک جائیگا یا اُٹھ جائیگا۔ اور جس شخص کی حسنات اور سیئات میزانِ عمل میں بالکل برابر سرابر رہیں گے تو وہ اصحابِ اعراف میں داخل ہوگا اور ایک زمانہ تک دوزخ اور جنت کے درمیان حکم ثانی کا منتظر رہے گا اور بالآخر اسکو بھی جنت میں داخل کیا جائے گا (رواہ ابن ابی حاتم۔ مظہری)

ابن عباسؓ کے اس قول میں کفار کا ذکر نہیں صرف مؤمنین گنہگاروں کا ذکر ہے۔

وزنِ اعمال کی کیفیت بعض روایات حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ خود انسان مؤمن و کافر کو میزانِ عدل میں رکھ کر تولا جائے گا۔ کافر کا کوئی وزن نہ ہوگا خواہ وہ کتنا ہی فربہ اور موٹا ہو۔ (بخاری ومسلم من حدیث ابی ہریرۃ رضؓ) اور بعض روایات حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ انکے نامۂ اعمال تولے جائیں گے۔ ترمذی، ابن ماجہ، ابن حبان اور حاکم نے یہ مضمون حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت کیا ہے۔ اور بعض روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہر انسان کے اعمال جو دُنیا میں بے وزن بے جسم اعراض ہوتے ہیں محشر میں ان کو مجسم کر کے میزانِ عمل میں رکھا جائیگا وہ تولے جائیں گے۔ طبرانی وغیرہ نے یہ روایت ابن عباسؓ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا ہے۔ ان سب روایات حدیث کے الفاظ اور متن تفسیر مظہری میں مکمل موجود ہیں وہاں دیکھے جاسکتے ہیں۔ اسی آخری قول کی تائید میں ایک حدیث عبدالرزاق نے فضل العلم میں ابراہیم نخعی رہ سے نقل کی ہے کہ قیامت کے روز ایک شخص کے اعمال وزن کے لئے لائے جائیں گے اور ترازو کے پلہ میں رکھے جائیں گے تو یہ پلہ ہلکا رہیگا۔ پھر ایک چیز ایسی لائی جائیگی جو بادل کی طرح ہوگی اس کو بھی اسکے حسنات کے پلہ میں رکھدیا جائیگا تو یہ پلہ بھاری ہو جائیگا اسوقت اس شخص سے کہا جائیگا کہ تم جانتے ہو یہ کیا چیز ہے (جسنے تمھاری نیکیوں کا پلہ بھاری کردیا) وہ کہے گا کہ مجھے کچھ معلوم نہیں۔ تو بتلایا جائے گا کہ یہ تیرا علم ہے جو تو لوگوں کو سکھایا کرتا تھا۔ اور ذہبی نے فضل علم میں حضرت عمران بن حصین رضؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے روز شہیدوں کا خون اور علماء کی روشنائی (جس سے انھوں نے علم دین کی کتابیں لکھی تھیں) باہم تولے جائیں گے تو علماء کی روشنائی کا وزن شہیدوں کے خون سے زیادہ نکلے گا۔ (مظہری)

وزنِ اعمال کی کیفیت کے متعلق تینوں قسم کی روایات نقل کرنے کے بعد تفسیر مظہری میں فرمایا کہ اسمیں کوئی بُعد نہیں کہ خود انسان اور اسکے اعمال کو جسمانی شکل میں تولا جائے یا اسکے نامۂ اعمال کو اسکے ساتھ رکھ کر تولا جائے اس لئے ان تینوں روایتوں میں کوئی تعارض اور اختلاف نہیں۔

وَهُمْ فِيْهَا كٰلِحُوْنَ ، كَالِحٌ لغت میں اُس شخص کو کہا جاتا ہے جس کے دونوں ہونٹ اسکے دانتوں کو نہ چھپائیں ایک اوپر رہے دوسرا نیچے دانت نکلے ہوئے نظر آئیں جو نہایت بدصورت ہے جہنم میں جہنمی کا اوپر کا ہونٹ اُوپر چڑھ جائیگا اور نیچے کا ہونٹ نیچے لٹک جائیگا دانت کھلے نکلے نظر آویں گے

وَلَا تُكَلِّمُوْنِ ، حضرت حسن بصری رہ نے فرمایا کہ اہل جہنم کا یہ آخری کلام ہوگا جس کے جواب میں حکم ہوجائیگا کہ ہم سے کلام نہ کرو پھر وہ کسی سے کچھ کلام نہ کرسکیں گے جانوروں کی طرح ایک دوسرے کیطرف بھونکیں گے۔ اور بیہقی وغیرہ نے محمد بن کعبؓ سے نقل کیا ہے کہ قرآن میں اہل جہنم کی پانچ درخواستیں نقل کی گئی ہیں اُن میں سے چار کا جواب دیا گیا اور پانچویں کے جواب میں حکم ہوگیا لَا تُكَلِّمُوْنِ بس یہ اُنکا آخری کلام ہوگا اس کے بعد کچھ نہ بول سکیں گے۔ (مظہری)

فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ ﴿۱۱۶﴾

سو بہت اُوپر ہے اللہ وہ بادشاہ سچا کوئی حاکم نہیں اسکے سوائے مالک اس عزت کے تخت کا

وَمَنْ يَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۙ لَا بُرْهَانَ لَهٗ بِهٖ ۙ فَاِنَّمَا حِسَابُهٗ

اور جو کوئی پکارے اللہ کے ساتھ دوسرا حاکم جس کی سند نہیں اسکے پاس سو اس کا حساب ہے

عِنْدَ رَبِّهٖ ۭ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۱۱۷﴾ وَقُلْ رَّبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ

اسکے رب کے نزدیک، بیشک بھلا نہ ہوگا منکروں کا اور تو کہہ اے رب معاف کر اور رحم کر

وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۱۱۸﴾

اور تو ہے بہتر سب رحم والوں سے

خلاصۂ تفسیر

(اور یہ سب مضامین جب معلوم ہو چکے) سو (اس سے یہ کامل طور پر ثابت ہو گیا کہ) اللہ تعالیٰ بہت ہی عالیشان ہے جو کہ بادشاہ (ہے اور بادشاہ بھی) حقیقی ہے اس کے سوا کوئی بھی لائق عبادت نہیں (اور وہ) عرش عظیم کا مالک ہے اور جو شخص (اس امر پر دلائل قائم ہونے کے بعد) اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور معبود کی بھی عبادت کرے کہ جس (کے معبود ہونے) پر اسکے پاس کوئی بھی دلیل نہیں سو اسکا حساب اس کے رب کے یہاں ہوگا (جسکا نتیجہ لازمی یہ ہے کہ) یقیناً کافروں کو فلاح نہ ہوگی (بلکہ ابدالآباد معذب رہیں گے) اور (جب حق تعالیٰ کی یہ شان ہے تو) آپ (اور دوسرے لوگ بدرجۂ اولیٰ) یوں کہا کریں کہ اے میرے رب (میری خطائیں) معاف کر اور (ہر حالت میں مجھ پر) رحم کر (معاش میں بھی، توفیق طاعات میں بھی، نجات آخرت میں بھی، عطائے جنت میں بھی) اور تو سب رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے۔

معارف ومسائل

یہ سورۂ مومنون کی آخری آیتیں اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّاَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ سے آخر سورت تک خاص فضیلت رکھتی ہیں۔ بغوی اور ثعلبی نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت کیا ہے کہ ان کا گزر ایک ایسے بیمار پر ہوا جو سخت امراض میں مبتلا تھا حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اس کے کان میں سورۂ مومنون کی یہ آیتیں اَفَحَسِبْتُمْ سے آخر تک پڑھ دی وہ اُسی وقت اچھا ہو گیا۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اُن سے دریافت کیا کہ آپ نے اس کے کان میں کیا پڑھا؟ عبداللہ بن مسعودؓ نے عرض کیا کہ یہ آیتیں پڑھی ہیں۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قسم ہے اُس ذات کی جس کے

قبضہ میں میری جان ہے اگر کوئی آدمی جو یقین رکھنے والا ہو یہ آیتیں پہاڑ پر پڑھ دے تو پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹ سکتا ہے (قرطبی ومظہری)

رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ یہاں اغفر اور ارحم دونوں کا مفعول ذکر نہیں کیا گیا کہ کیا معاف کریں اور کس چیز پر رحم کریں اس سے اشارہ عموم کی طرف ہے کہ دُعاءِ مغفرت شامل ہے ہر مضرت و تکلیف وہ چیز کے ازالہ کو اور دُعاءِ رحمت شامل ہے ہر مُراد اور محبوب چیز کے حاصل ہونے کو۔ کیونکہ دفع مضرت اور جلب منفعت جو انسانی زندگی اور اُسکے مقاصد کا خلاصہ ہیں دونوں اسمیں شامل ہو گئے (مظہری) اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو دُعاءِ مغفرت و رحمت کی تلقین باوجودیکہ آپ معصوم اور مرحوم ہی ہیں درحقیقت اُمت کو سکھانے کیلئے ہے کہ تمہیں اس دُعا کا کتنا اہتمام کرنا چاہیے (قرطبی)

اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ، سورۂ مومنون کی ابتدا قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ سے ہوئی تھی اور انتہا لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ پر کی گئی، جس سے معلوم ہوا کہ فلاح یعنی مکمل کامیابی مومنین ہی کا حصہ ہے کفار اس سے محروم ہیں۔

تمت سورة المؤمنون في ثمانية ايام من اول المحرم سنة ۱۳۹۱ وذلك في يوم عاشوراء يوم الاثنين ولله الحمد اوله وآخره واياه اسأل التوفيق لاتمام الباقي كما يحب ويرضاه وان يتقبل مني ويجعله ذخرا لآخرتي وهو المستعان